تالیف
مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

شاہ ولی اللہ اور
ان کا خاندان

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

شاہ ولی اللہ

اور

اُن کا خاندان

تالیف

مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

© مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

صدر دفتر:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025
شاخیں:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اُردو بازار، دہلی 110006
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی 400003
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ 202002

پہلی بار جولائی ۱۹۹۲ء   تعداد: 600   قیمت: =/45

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲

ترتیب

- پیش لفظ ۵
- شاہ ولی اللہؒ کے حالات شاہ عبدالعزیزؒ کی زبانی۔ ۷

ماخذ سوانح۔ القول الجلی، ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ولادت و وفات حافظ، راجپوتانے میں، سیّد ناحسن کا قلم جو پڑھا لکھا تھا نیا نے نے سند حدیث، تقسیم کار، ضبط اوقات، مسیتا، شفقتِ پدری، تقریر، نسبت چشت، شاہ صاحب اور شیعت، شیعوں سے قرابت، کرامت طب، غزل، وصیت نامہ، مسلک فقہی، ایک فتوا، ایک جزیرہ، عذابِ قبر۔

- سنین حیاتِ شاہ ولی اللہؒ ۱۹
- حیاتِ شاہ ولی اللہؒ کے چند خاص ماخذ۔ ۲۰
- تصانیف شاہ ولی اللہؒ۔ ۲۲
- تلامذہ و مریدین شاہ ولی اللہؒ۔ ۲۵
- شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات۔ ۲۸
- تحریکِ ولی اللہی۔ کیا وہ کامیاب رہی؟ ۳۱

اخلاف و تلامذہ، تصانیف و تالیف۔

- شاہ ولی اللہؒ کا مدرسۂ رحیمیہ۔ ۴۱
- شاہ ولی اللہؒ کے بھائی شاہ اہل اللہ پھلتی۔ ۵۴

طب، پھلت میں، اخلاف، تالیفات:
انفاسِ رحیمیہ، تخریج احادیث ہدایہ، تلخیص ہدایہ، اصول فقہ، تفسیر قرآن پہاراباب، کنزالدقائق کا فارسی ترجمہ، ترجمہ موجز القانون فارسی، فوائد چند مکاتیب۔

- **حضرت شاہ اہل اللہ پھلتی برادر خورد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی** ۶۸

نصائح

- شاہ ولی اللہؒ کے خلیفۂ اعظم شاہ محمد عاشق پھلتی۔ ۷۳

شیخ محمد، شیخ عبید اللہ، شاہ محمد عاشق، اخلاف، امتہ العزیز، اولاد ثناء اللہ، تلامذہ و مریدین۔
تصانیف:۔ قول جلی، تقریر خیر کثیر، شرح دعاء الاعتصام، سبیل الرشاد، مکتوبات شاہ ولی اللہؒ، متفرق تحریریں: مقدمہ خیر کثیر، مکتوب، المصفیٰ پر۔

- شاہ ولی اللہؒ کے فرزندانِ گرامی۔ ۹۵

شاہ محمد دہلوی ۹۵
شاہ عبد العزیزؒ ۹۹
شاہ رفیع الدین دہلوی ۱۰۵
شاہ عبد القادر دہلوی ۱۱۲
شاہ عبد الغنی دہلوی ۱۱۳

- شاہ ولی اللہؒ کے اخلاف و احفاد۔ ۱۱۵

شاہ محمد اسحٰق دہلوی ۱۱۵
شاہ محمد یعقوب دہلوی ۱۱۷
شاہ مخصوص اللہ ۱۲۵
شاہ محمد موسیٰ دہلوی ۱۲۸
مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللٰہی۔ ۱۳۳
شاہ محمد اسماعیل۔ ۱۴۳
شاہ محمد عمر ۱۴۴
اسلامی اقتصادی انقلاب کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نظریات۔ ۱۴۶

پیش لفظ

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ اور ان کے اصحاب و اخلاف و احفاد کے سوانح پر اپنے متفرق مضامین کا یہ مجموعہ پیش کرتے ہوئے چند صراحتیں ضروری سمجھتا ہوں۔

شاہ ولی اللہؒ کی مبسوط اور محققانہ سوانح حیات ہم پر ہنوز قرض ہے، پھر بھی ان پر کچھ کام ضرور ہوا ہے لیکن اس خانوادۂ گرامی کے دوسرے ارکان پر تو مورّخین نے کوئی توجہ نہیں کی ہے۔ شاہ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی، شاہ اہل اللہ پھلتی، خلیفہ اور جانشین شاہ محمد عاشق پھلتی، صاحب زادوں، شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین، احفاد شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ وغیرہ کے ساتھ تو بے اعتنائی کا خصوصی معاملہ کیا گیا ہے، (کیوں کیا گیا ہے یہ پھر کبھی عرض کروں گا) اور کچھ اس طرح کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے صاحب زادہ شاہ عبد العزیزؒ تھے اور ان کے بعد شاہ محمد اسماعیل ہوئے۔ بس یہ کل کائنات تھی اس دبستانِ دین و حکمت کی! حال آں کہ یہ قطعاً خلافِ واقعہ ہے اور ایسا کرنے والوں نے ایک خاص مقصد سے ایک تحریک کی شکل میں اور منظم پیمانے پر یہ "کارنامہ" انجام دیا ہے۔

پیشِ نظر کتاب اس "ظلم" "بے التفاتی" اور "بے اعتنائی" کی تلافی کی ایک حقیر اور طالب علمانہ کوشش ہے، اس میں آپ پہلی بار شاہ اہل اللہ اور شاہ محمد عاشق پر مفصل مضامین ملاحظہ فرمائیں گے، شاہ صاحبؒ کے مدرسہ کی تاریخ پہلی بار نظر سے گزرے گی۔ اور شاہ صاحب کے سب سے بڑے فرزند —— شاہ محمد کی تو دریافت اور تعارف کی سعادت خاکسار ہی کو حاصل ہوئی ورنہ بیش تر مورّخین شاہ صاحبؒ کے چار فرزند لکھتے رہے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ محمد اسماعیل پر مضامین میں میں نے یہ کوشش کی ہے کہ ان حضرات کے سلسلے میں جو باتیں عام طور سے نگاہوں سے اوجھل تھیں وہ جمع کر دی ہیں، کیوں کہ ان دونوں حضرات پر کافی لکھا جا چکا ہے۔

فروری ۱۹۷۳ء

طالبِ علم
حکیم محمود احمد برکاتی

شاہ ولی اللہؒ کے حالات

شاہ عبدالعزیزؒ کی زبانی

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ایک جامع و مبسوط سوانح حیات، محققانہ اور جدید اسلوب پر ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔

ماخذ سوانح حیاتِ ولی کا اوّلین ماخذ تو خود شاہ صاحب ہی کی تحریریں ہوں گی انفاس العارفین، فیوض الحرمین، الدر الثمین، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ وغیرہ میں بہت سا مواد مل جائے گا۔ الجزء اللطیف کے نام سے تو ایک مختصر سا رسالہ ہی شاہ صاحبؒ نے اپنے احوال و سوانح کے طور پر تحریر فرما دیا تھا۔

القول الجلی اس کے بعد سب سے زیادہ اہمیت القول الجلی (فی مناقب الولی) کی ہے جو شاہ صاحبؒ کی حیات ہی میں ان کے بھائی، دوست، شاگرد اور خلیفہ شاہ محمد عاشق پھلتی نے تحریر فرمایا تھا، خود شاہ صاحبؒ نے الجزء میں اس کا ذکر فرمایا ہے (ص۱۹۴) یہ رسالہ ۱۹ ویں صدی کے اواخر تک تو دستیاب تھا۔ مولوی رحمٰن علی اور نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتابوں میں اس سے اقتباس و استفادہ کیا ہے مگر اب عرصے سے نایاب[۱] ہے۔

حیاتِ ولی کے مؤلف مولوی رحیم بخش دہلوی کو دستیاب نہیں ہو سکا تھا، یہ

---

[۱] خلیق نظامی صاحب نے سیاسی مکتوبات شاہ ولی اللہؒ کے تازہ ایڈیشن میں اطلاع دی ہے کہ انھوں نے ایک صاحب کے پاس القول الجلی کا مخطوطہ دیکھا ہے۔ ضخیم کتاب ہے۔

رسالہ اگر کہیں سے دریافت کر لیا جائے تو ایک معتبر و معتمد اور نسبتاً مفصّل تذکرہ ہوگا۔

شاہ محمد عاشق ہی کی ایک تحریر الخیر الکثیر کے آغاز میں ہے وہ بھی مفید و بکار آمد ہے۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ

اس کے بعد میرے خیال میں بڑی اہمیت شاہ عبدالعزیزؒ کے ان اقوال و بیانات کی ہے جو ان کے ملفوظات میں پائے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے آخری چند سالوں کے ملفوظات ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ء) میں ان کے ایک حاضر باش مسترشد نے مرتّب کیے ہیں اور ایک ارادت کیش قاضی بشیر الدین میرٹھی نے ۱۳۱۴ھ میں پہلی بار مطبع مجتبائی میرٹھ سے شایع کیے تھے۔

افسوس ہے کہ ان مسترشد کے نام کا پتا نہیں چلتا، ملفوظات کے ناشر کا بیان ہے کہ حاصل شدہ نسخے کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے جامع ملفوظات کا نام پڑھا نہیں جا سکا، ہمارے سامنے ملفوظات کا ایک مخطوطہ بھی ہے مگر اس کے آغاز میں بھی جامع نے مطبوعہ نسخے کی طرح خود کو فقیر تحریر کیا ہے نام لکھا ہی نہیں، ہو سکتا ہے آخر میں جامع نے اپنا نام لکھا ہو اور وہ ناشر سے نہ پڑھا جا سکا ہو مگر مخطوطہ کے آخر میں جامع یا کاتب کا نام درج نہیں ہے البتہ سن کتابت ۱۲۵۰ھ درج ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شاہ صاحبؒ کے وصال (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) کے صرف گیارہ سال بعد کا مکتوبہ ہے، یہ نسخہ مولانا نذر علی درد کاکوروی (۵۸۱۸ عزیز آباد کراچی) کی ملک ہے، انھیں اپنے والد محمد حبیب علی علوی قادری سے ورثہ میں ملا ہے علوی صاحب نے آغاز میں جامع کے متعلق اپنا قیاس یوں ظاہر کیا ہے:- "غالباً جمع فرمودہ شاہ ادادانی صاحب کہ یکے از خلفائے جیّد آں جناب (شاہ صاحب) بودند و بسیار مقبول پیر خود۔" افسوس ہے کہ ہم شاہ ادادانی صاحب کی شخصیّت سے ناواقف ہیں، ممکن ہے کہ ان کے حالات میں ان کی اس تالیف کا سراغ مل جائے، ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایّوب قادری کا قیاس یہ ہے کہ جامع کا تعلّق میرٹھ سے تھا، کیونکہ آغاز ہی میں وہ لکھتے ہیں کہ جب میں شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنے جن دوستوں کے پیغام سلام عرض خدمت کیے وہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ (مولوی عسکری صاحب غلام انبیا خاں صاحب۔ شیخ لطف علی و شیخ مبارک اللہ وغیرہ)

جامع کا نام علم میں نہ ہونے سے اگرچہ شاہ صاحبؒ کی طرف ملفوظات کی نسبت مشتبہ اور محلِ نظر ہو جاتی ہے، مگر ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے، اولاً تو مطبوعہ نسخے کے علاوہ جو مخطوطہ ہمارے پیشِ نظر ہے وہ ترتیب ملفوظات اور شاہ صاحبؒ سے بہت قریب العہد ہے، پھر ملفوظات کے اکثر مشتملات کی دوسرے مآخذ (خصوصاً

شاہ ولی اللہؒ کی تحریروں) سے بھی تصویب و تصدیق ہوتی ہے ۔ جیسا کہ ہم نے حواشی میں حسب ضرورت اس کی صراحت کر دی ہے ۔

مؤلف کی دیانت کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں بھی وہ کسی ملفوظ کو بر وقت قلم بند نہیں کر سکے ہیں ، انھوں نے اس کا اظہار کر دیا ہے ، مثلاً ایک مقام پر نصف ملفوظ نقل کر کے بقیہ نصف نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں :

" ازیں جا ایں قصہ بعد سہ ماہ بموجب یاد خود کہ باعتماد آں سفیدی گزاشتہ بودم نوشتہ ام " ص۱۰۹

یہاں سے اس قصے کو تین مہینے کے بعد لکھتا ہوں ، اپنے حافظے کے بھروسے پر میں نے یہاں جگہ چھوڑ دی تھی ۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہر ملفوظ کو بروقت لکھ لیا کرتے تھے ۔ ایک مقام پر شاہ صاحب کی ایک تاریخی تحقیق کا صرف خلاصہ نقل کیا ہے کہ :۔

ایں وقت بسبب ضیق فرصت بقلم نمی آید مگر یاد است انشاء اللہ العزیز بشرط فرصت و یاد خواہم نگاشت ۔ ص۹۵

اس وقت فرصت نہ ہونے کی وجہ سے (پوری گفتگو) نہیں لکھ رہا ہوں مگر یاد ہے اللہ نے چاہا تو بشرط فرصت و یاد لکھوں گا[۱]

اس سے بھی اسی قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ وہ دن کے دن لکھ لینے کا اہتمام کر لیتے تھے ۔

یہ ضرور ہے کہ ملفوظات کے اندازِ بیان اور زبان سے ان کے اہلِ علم ہونے کا مظاہرہ نہیں ہوتا ، اندازِ بیان علمی و ادبی نہیں ہے ، زبان (فارسی) مقامی اور غیر معیاری تو ہے ہی مگر بالعموم اغلاط سے بھی خالی نہیں ہے ۔

علم کی کمی کی وجہ سے زیادہ تر اشعار لطیفے اور قصص و حکایات نقل کیے ہیں علمی موضوعات پر جن تقاریر کو نگاہیں کتاب میں ڈھونڈتی ہیں وہ نہیں ملتیں حالانکہ شاہ صاحب کی بزم میں زیادہ تر علمی و فنی موضوعات معرضِ کلام میں آتے ہوں گے اور شاہ صاحبؒ ان پر داد تحقیق دیتے ہوں گے ، جامع کو اگر علمی ذوق ہوتا اور ان تقریروں کو سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو ان کو محفوظ کر لیتے تو آج یہ سرمایہ ہمارے لیے بہت منفعت بخش ہوتا ۔

۱؎ مگر معلوم ہوتا ہے بعد میں فرصت نہیں ملی یا یاد نہیں رہا کیوں کہ بعد میں بھی یہ اصل ملفوظ نہیں ملتا ۔

بعض ملفوظات کی نسبت کی صحت تسلیم کرنے کی تو ہماری عقیدت کسی طرح اجازت نہیں دیتی، مثلاً ص۲۰ کا مکالمہ اور ص۶۶ کا شعر اور ص۵۵ کی حکایت شاہ صاحبؒ کے وقار و ثقاہت اور ان کی بزم کے تقدس و شائستگی سے اس قسم کے فحش لطیفوں اور عامیانہ اشعار کا کوئی میل نہیں ملتا۔

بہر حال شاہ ولی اللہؒ کے احوال و سوانح کے سلسلے میں کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔ کتاب میں جہاں جہاں شاہ ولی اللہ کا ذکر آیا ہے ہم نے انھیں ایک ترتیب سے جمع کرلیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کی تاریخ ولادت و وفات[1]

تاریخ تولد شاہ ولی اللہ چہارم شوال و چہارشنبہ ۱۱۱۴ھ بود تاریخ وفات "او بود امام اعظم دیں" دیگر "ہائے دل روزگار رفت" بست نہم محرم وقت ظہر ص۴۲

شاہ صاحب کی تاریخ ولادت چہار شنبہ ۴ر شوال ۱۱۱۴ھ ہے اور تاریخ وفات "او بود امام اعظم دیں" اور "ہائے دل روزگار رفت" سے نکلتی ہے۔ (۱۱۷۶ھ) ۲۹ محرم وقت ظہر۔

شاہ صاحب کا حافظہ

مثل والدِ ماجد حافظہ ندیدہ ام ص۱۱

والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا۔

شاہ صاحب راجپوتانے میں

ہنگام سفر مکہ معظمہ حضرت والد ماجد را در ملک راجپوتانہ ثبوت پیوست کہ یک کھٹمل مثل بچھوہ خورد بود از جہت زہر رنگ سبز بنظر می آمد ہر کہ نیش می زدی مرد ص۴۲

مکہ معظمہ کے سفر کے دوران والد ماجد کو راجپوتانے میں اس بات کی تحقیق ہوئی کہ ایک کھٹمل، چھوٹے بچھوے کی طرح ہوتا ہے۔ زہریلا ہونے کی وجہ سے وہ سبز نظر آتا تھا جس کسی کو ڈنک مار دیتا تھا وہ مرجاتا تھا۔

سیدنا حسنؓ کا قلم

چوں والد ماجد بمکہ معظمہ رسید حضرت امام حسنؓ را بخواب دید کہ چادرے برسر انداختند و قلم عنایت کردند و فرمود ایں قلم جد من است بعد ازاں فرمود باش کہ امام حسینؓ ہم بیاید چوں آمدند قلم را تراشیدہ بدست

جب والد ماجد مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت امام حسنؓ کو خواب میں دیکھا، حضرت نے (شاہ صاحبؒ کے) سر پر ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ٹھہریے، امام حسینؓ بھی تشریف لا رہے ہیں

---

[1] الجزء اللطیف ص۱۹۳ مطبع احمدی دہلی۔

والد ماجد دادند در آں وقت حال نسبت و علم تقریر دِگرگوں شُد چنانچہ مستفیضانِ سابق ہر گز احساس نسبت سابق نمی کردند۔

صـ ۸۲-۸۳

جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے قلم کو تراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا۔ اسی وقت سے نسبت باطن، عِلم اور تقریر کا رنگ اتنا بدل گیا کہ جن لوگوں نے (شاہ صاحب سے) پہلے استفاضہ کیا تھا وہ سابقہ نسبت کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔

جوپڑھالکھاتھانیازنے

پدرمن[علہ] وقتِ رخصت از مدینہ از استاد خود عرض کرد و اُو خوش شُد کہ ہرچہ خواندہ بودم فراموش کردم اِلاّ علم دیں یعنی حدیث۔ صـ ۹۳

میرے والد نے مدینہ منورّہ سے رخصت کے وقت اپنے استاد سے عرض کیا جس سے وہ خوش ہوئے کہ میں نے علمِ دین یعنی حدیث کے علاوہ جو کچھ پڑھا تھا اسے بُھلا دیا۔

(علہ النسان العین فی مشایخ الحرمین (انفاس العارفین) صـ ۱۹۲ ایں فقیر برائے وداع نزدیک شیخ ابوطاہر رفت ایں بیت برخواند نسیت کل طریق کنت اعرفہ - الا طریقا یودینی الا ربعکم، بحر و شنیدن آں بکا بر شیخ غالب آمد و بغایت مشتانہ شد۔ فیوض الحرمین (مطبع احمدی صـ ۲۱) میں یہ واقعہ اس طرح ہے :- میں ۱۰ صفر ۱۱۴۴ھ کی رات میں خواب میں دیکھا کہ حسن و حُسین رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں قلم ہے جس کی نوک ٹوٹ گئی ہے آپ نے مجھے بخشنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اور فرمایا یہ ہمارے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا قلم ہے۔ پھر فرمایا (ٹھہرو) تاکہ حسینؓ اُسے ٹھیک کر دیں۔ یہ قلم ویسا نہیں جیسا حُسینؓ نے اسے بنایا تھا۔ پھر حسینؓ نے لے لیا اور مجھے عنایت فرما دیا۔ جس سے میں خوش ہوا پھر ایک چادر جس پر ایک سفید دھاری تھی اور ایک سبز ان دونوں کے سامنے لاکر رکھی گئی۔ حضرت حسینؓ نے وہ چادر اٹھائی اور فرمایا یہ میرے نانا کی چادر ہے (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور مجھے اڑھادی، میں نے اُسے اپنے سر پر رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔)

سندحدیث

چہاردہ ماہ در حرمین بود و سند کردہ بعض

(والد ماجد) چودہ ماہ حرمین میں رہے اور سند حاصل کی بعض مقام پر استاد فرماتے

جا استاد می فرمود معنی ایں حدیث تو بفرماد درسند اجازت نوشتہ سند از من کرد اگر چہ بہ از من ست عله ص ۹۳

تھے اس حدیث کے معنی تم بیان کرو اور سند میں لکھا کہ انھوں نے مجھ سے سند حاصل کی ہے، اگرچہ یہ مجھ سے بہتر ہیں۔

تقسیم کار

حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن با وے می سپردند و خود مشغول معارف گوئی و نویسی می بودند وحدیث می خوانیدند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند مریض ہم کم می شدند عمر شریف شصت و یک سال چہار ماہ شد۔ ص ۶۲

حضرت والدِ ماجد نے ہر ایک فن کے لیے ایک شخص کو تیار کر دیا تھا اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے (فاضل کے) سپرد کر دیتے تھے اور حقایق و معارف بیان اور تحریر کرنے میں مشغول رہتے تھے اور حدیث کا مطالعہ کرتے رہتے تھے مراقبہ کے بعد جو کچھ کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بھی کم ہوتے تھے آپ کی عمر اکسٹھ ۶۱ سال چار ماہ ہوئی۔

ضبط اوقات

مثل والدِ ماجد شخصے کم بنظر آمد سوائے علوم وکمالات دیگر در ضبط اوقات، چنانچہ بعد اشراق کہ می نشست تا دو پہر زانو بدل نمی کرد وخارش نمی نمود و آب دہن نمی انداخت ص ۴۳

دیگر علوم وکمالات کے علاوہ ضبط اوقات میں بھی والدِ ماجد کی طرح کم ہی کوئی آدمی نظر آیا، اشراق کے بعد جو بیٹھتے تھے تو پہلو بھی نہ بدلتے تھے، کھجاتے تھے نہ تھوکتے تھے۔

مسیتا عله

بندہ را عورات "مسیتا" می گفتند وجہش آں کہ در شب بست و پنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ

بندہ (شاہ عبد العزیز) کو عورتیں "مسیتا" کہتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ۲۵ رمضان کی شب میں سحر کے وقت پیدا ہوا

عله سید ظہیر الدین احمد (تاویل الاحادیث ص ۸) کے بیان کے مطابق شاہ صاحب ۸ ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ کو روانہ ہوئے تھے اور ۹ رجب ۱۱۴۵ھ کو واپس ہوئے (الجزء اللطیف ص ۹۳) اس طرح کُل ۲۸ ماہ سفر میں گزرے ان میں سے ۷، ماہ آمد و رفت میں گزرے اور ۱۴ ماہ حرمین میں حاضری رہی۔

عله مسجد کا عوامی تلفظ "مسیت" ہے، اسی کی نسبت سے "مسیتا" ہے یعنی مسجد والا، جسے مسجد کی نذر کیا گیا۔

بودم چوں والدین را کودک بسیار مردہ بودند مگر برائے من آرزو کمال بود دراں ہنگام بزرگان بسیار و اولیا، بسیار راز یاراں والدِ ماجد مثل شاہ محمد عاشق و مولوی نور محمد وغیرہ معتکف مسجد ہذا می بودند پس مارا غسل دادہ در محراب انداختند گویا نذر خدا کردند پس بزرگاں مارا قبول کردہ از طرف خدا انعام کردند صـ۱۰۹

ہوں، چوں کہ والدین کے بچے بچتے نہیں تھے اس لیے میری بڑی آرزو تھی۔ میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور خدارسیدہ حضرات مثلاً شاہ محمد عاشق اور مولوی نور محمد وغیرہ اسی مسجد میں معتکف تھے (ولادت کے بعد) مجھے غسل دے کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا ان بزرگوں نے مجھے قبول کر کے خدا کی طرف سے انعام (میں واپس) عطا کیا۔

شفقت پدری

والدِ ماجد بے بندہ طعام نمی خوردند صـ۳

والدِ ماجد میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

شاہ صاحبؒ کی تقریر

تقریر والدِ ماجد در درس وغیرہ و تقریر اکثر مرقص می شد" صـ۸۲

درس وغیرہ میں والدِ ماجد کی تحریر و تقریر اکثر رقص آور لذت بخش و لطف انگیز ہوتی تھی۔

نسبت چشتیت

در ابتدا والدِ ماجد ہم ہموں غالب بود بعد ازاں انقلاب شد صـ۸۲

ابتدا میں (جدِ امجد کی طرح) والدِ ماجد پر بھی نسبتِ چشتیت کا غلبہ تھا، بعد میں انقلاب ہوا۔

شاہ صاحب اور شیعیت

شخصے از والدِ ماجد مسئلہ تکفیر شیعی پُرسید آں حضرت اختلاف حنفیہ دریں باب کہ است بیان کردند چوں مکرر پرسید ہماں شنید شنیدم کہ می گفت کہ ایں شیعی است" صـ۳۲

ایک شخص (متعصب سُنّی) نے والدِ ماجد سے شیعی کے کفر کے متعلق سوال کیا، آپ نے (اس کی مرضی کے خلاف) اس باب میں احناف کا اختلاف بیان فرمایا (یعنی کفر پر اتفاق نہیں ہے) اس نے دوبارہ دریافت کیا اور وہی جواب پایا تو میں نے سنا ہے کہنے لگا کہ یہ (خود) شیعی ہیں۔

شیعوں سے قرابت

بعضے از اقربا قریبہ ما شیعۂ غالی اند۔ ص۳۷

ہمارے بعض قریبی[ع۱] اعزّہ غالی شیعی ہیں۔

کرامت

در وقتِ طفلی بیمار بودم حکیمے تداوی می کرد صحت یاب شدم والدِ ماجد آں را حکم فرمودند کہ مارا چوں خوش ساختی بگو درحق تو دعائے کنم ہرچند خلاف وضع شریف بود لیکن فرمودند عرض کرد کہ نوکر شوم درہموں ہنگام بلکہ شب صدروپیہ رامع سواری تعیناتی نوکر شد چوں آمدہ عرض کرد آں حضرت از زبان مبارک فرمودہ ہمّتِ شما قاصر بود کہ بردنیا آں ہم حقیر اکتفا کردید۔ ص۴۳-۴۴

میں لڑکپن میں بیمار تھا ایک حکیم صاحب نے علاج کیا میں صحت مند ہوگیا، والدِ ماجد نے اپنی وضع کے خلاف ان سے کہا، بتایئے میں آپ کے حق میں (کیا) دعا کروں؟ کہا:- میں نوکر ہو جاؤں اسی زمانے میں بلکہ اسی رات سو روپیہ تنخواہ (معہ سواری) پر نوکر ہوگئے جب حکیم صاحب نے آکر بتایا تو حضرت نے زبانِ مبارک سے فرمایا آپ کا حوصلہ ہی پست تھا کہ دنیا اور وہ بھی اس کے حقیر حصّے پر اکتفا کی،

طِب

حکمت ہم در خاندان ما معمول بود چنانچہ جدِّ[ع۲] بزرگ دار و عم[ع۳] فقیر دوامی کردند والدِ ماجد و بندہ موقوف ساختہ۔ ص۲۲

ہمارے خاندان میں طِب کا بھی مشغلہ تھا چنانچہ جدِّ بزرگ وار (شاہ عبدالرحیم) اور عم فقیر (شاہ اہل اللہ) مطب کرتے تھے والدِ ماجد اور میں نے یہ سلسلہ موقوف کیا۔

ہرچند کہ والدِ ماجد مابنا بر دواد طبابت بحسب مصلحت دیگر منع فرمودہ بودند لیکن خوب چیز است گویا جان بخشی۔ ص۲۳

اگرچہ والدِ ماجد نے کسی مصلحت سے علاج اور مطب کرنے سے روک دیا تھا لیکن (یہ طِب) ہے خوب چیز گویا (بعض حالات میں تو) جاں بخشی ہے۔

ع۱ مثلاً میر قمرالدین منت جو شاہ صاحبؒ کے قریبی عزیز اور شاگرد بھی تھے شاہ صاحب نے عجالۂ نافعہ ان ہی کے لیے لکھا تھا۔ ع۲ "در طب حدس ایشاں بغایت سلیم درسا بود" بوارق الولایت از شاہ ولی اللہ ص۴۹
ع۳ شاہ اہل اللہ ف ۱۱۸۷ھ۔

شاہ صاحبؒ کی غزل[1]

مدار بخش نامی ایک قوّال کی درخواست پر شاہ صاحبؒ کی ایک غزل عنایت فرمائی۔

مَن ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام — عاشق شوریدہ ام یا عشق باجانانہ ام
مبتلائے حیرتم جاں گو ثمت یا جانِ جاں — اصطلاح شوق بسیار ست و من دیوانہ ام
میل ہر عنصر بود سوء مقر اصلیش — جذبۂ اصل است سر شورش مستانہ ام
شوق موسیٰ در ظہور آورد نارِ طور را — در رہا وطبیع آتش منیر ند پروانہ ام
اے امیؔن! بر مسیتم نام تجدد تہمت است — در ازل پیش از زماں تعمیر شد میخانہ ام

ص۱۰

ایک اور غزل :۔

گر بگلش بگذری گل بر رخت مفتوں شود — در نمائی قامت خود سرو را موزوں شود
کار بامعنی ست دانا را نہ بانام و نشاں — جذبۂ لیلیٰ ندارد[2] بید اگر مجنوں شود!
مردِ مفلس را جہاں یکسر محل آفت ست — شیشۂ گر خالیست گر بادش رسد وارُوں شود

ایک رباعی :۔

ص ۱۱

در صحبت اہلِ دل رسیدیم بسے — بس دریوزہ کناں زمانے یک نفسے
از چشمہ آب زندگانی قدحے — وز آتش وادی مقدس قبسے[ص۱۱]

ایک قطعہ :۔

در تعریف تشریف بُردن والدِ ماجد خود و بہ گفتن صاحب زادہ در حق شیخ آدم بنوری و ناراضی شاں"

اپنے والدِ ماجد (شاہ ولی اللہؒ) کے کہیں تشریف لے جانے اور ایک لڑکے کے شیخ آدم بنوری کی شان میں گستاخی کرنے اور والدِ ماجد کی ناراضی کا ذکر کرکے ان کا یہ قطعہ پڑھا

---

[1] حیات ولی (ص۵۰۶) میں اس غزل کے حسب ذیل دو اشعار کا اضافہ ہے باجمال دز تپش حسن دگر درکار شد چشم اور از او راشانہ ام غافل از خود ماند از صورت چو بر شد آئینہ تا ترا بشناختم جاناز خود بیگانہ ام —— مگر ملفوظات کا شعر حیات ولی میں نہیں ہے۔ [2] بید مجنوں پر شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی طبع آزمائی فرمائی تھی زنازک طبع عجز از خودنمائی بائی آید درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد ص۳۶۔ مگر حیات ولی میں اس شعر کو شاہ ولی اللہؒ صاحب کی طرف منسوب کیا ہے۔ ص۱۱۵۔

شخصے بخوردہ گیری ما عاجزاں فتاد
گفتم کہ حرفِ راست بگویم زما برنج

زاں رو کہ در طریقۂ مخدوم آدمیم
تو آدمی بنودی و ما آدمی شدیم

وصیّت[۱] نامہ

ارشاد شد کہ وصیّت نامۂ والدِ ماجد نقل کردہ بگیرند بسیار نافع است ص۵

فرمایا :- والدِ ماجد کا رسالہ وصیّت نامہ نقل کرکے رکھیں بہت مفید ہے ۔

مسلک فقہی

دریں مقدمہ اختیار حضرت والا خوب است یعنی اگر یکے از مجتہداں باّں عمل کردہ باشد ترجیح حدیث است عمل کند والا ترک دہد چراکہ خالی از سبب سکوت ہمہ ہا نیست واین چنیں شاید چہار حدیث خواہند بود۔

ص۹۱

اس (تقلید کے) مسئلہ میں والدِ ماجد کا مسلک خوب ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہو تو ترجیح حدیث کو دی جائے گی ورنہ حدیث کے بجائے قول مجتہد پر عمل کیا جائے گا اس لیے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا سکوت (اس حدیث پر عدم عمل) بے سبب نہیں ہو سکتا اور اس قسم کی شاید تعداد میں چار ہوں گی (جن پر کسی ایک امام کا بھی عمل نہ ہو)

ایک فتوا

آں حضرت فرمود کہ از ابی داؤد حدیث نقل می کنند کہ آں حضرت جامۂ خون آلود حیضی زنے را برائے صفائی از نمک شستن فرمودہ بود چوں نمک ہم چیز محترم است وطعام ہم محترم پس درست شد کہ از آرد وغیرہ اگر

(اس سوال پر کہ کھانے کے بعد آٹے سے ہاتھ دھونے کا کیا حکم ہے ؟) آپ نے فرمایا ابو داؤد سے منقول ہے کہ آں حضرتؐ نے ایک عورت کے خونِ حیض سے آلودہ کپڑوں کو نمک سے دھو کر صاف کرنے کا حکم دیا تھا اور چوں کہ نمک محترم ہے اور کھانا بھی اس لیے آٹے وغیرہ سے چاہے

---

[۱] وصیت نامہ المقالۃ الوصیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ کے نام سے فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جو سنہ ھ میں ہگلی (بنگال) سے پہلی بار شائع ہوا تھا۔ حال میں ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری ایم۔اے نے یہ وصیت نامہ مترجم چند دوسرے وصیّت ناموں کے ساتھ وصایائے اربعہ کے نام سے مرتب کیا ہے اور شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوا۔)

چه آردِ گندم باشد درست باید شست
لیکن چیز ہائے دیگر سوائے طعام کہ
دریں مادہ بکار می برند بہتر ست
والا آرد ہم جائز باشد۔ صـ۹۰

وہ گیہوں کا آٹا ہی کیوں نہ ہو ہاتھ دھونا
درست ہے لیکن کھانے کی چیزوں کے
علاوہ دوسری چیزوں سے جو اس کام میں
لائی بھی جاتی ہیں ہاتھ دھونا بہتر ہے۔

ایک جزیرہ

شخصے از قبلہ گاہی عرض
می کرد کہ در جزیرہ
رفتہ بودم انجا سوائے نارجیل و ماہی
از قسمِ طعام نمی شود مگر ایں کہ از ملک
دیگر برند چناں چہ آں کس را ہشتاد و
دو طعام از ترکیب ہمیں دو پزیدن
می دانم ؟" صـ۱۱۸

ایک شخص نے حضرت قبلہ سے عرض کیا
کہ میں ایک جزیرہ میں گیا تھا، وہاں
کھوپرے اور مچھلی کے علاوہ کھانے کی
اور چیز دستیاب نہیں ہوتی اِلّا یہ کہ کسی
دوسرے مقام سے لے آئیں، چنانچہ اس
شخص کو بیاسی قسم کے کھانے ان ہی دو
چیزوں سے پکانا آتے تھے۔

چین میں بلی

در ملک چین گربہ
کم تر می باشد و موش
ہا بسیار جری شخصے از والدِ ماجد نقل می
کرد کہ ہم راہ من گربۂ بود تا جائے کہ در
چین می روند رفتم دیدم کہ گلولہ بازاں
در وقتِ طعام راجہ برائے رفع موشاں
می استادند می گفتم جانورے در ہند بہ
پانصد روپیہ می آید از آوازش موشاں
می رمند چنانچہ فروختم از آوازش بالکل
موشاں رمیدند۔ صـ۱۰۱

چین میں بلی بہت کم ہوتی ہے اور چوہے
بڑے دلیر ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے
والدِ ماجد سے بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک
بلی تھی اور چین میں جہاں تک جاتے ہیں
(جا سکتے ہیں) میں گیا۔ میں نے دیکھا راجہ
کے کھانے کے وقت گلولا باز چوہوں کو
بھگانے کے لیے کھڑے رہتے ہیں میں نے
کہا ہندستان میں ایک جانور پانچ سو روپیہ
میں آتا ہے، اس کی آواز سے چوہے بھاگ
جاتے ہیں، چنانچہ میں نے بلی وہاں بیچ دی
اور اس کی آواز سے چوہے بھاگ گئے۔

عذابِ قبر

قصہ عجیب است پیش
حضرت والدِ ماجد بقسم
غلیظ می گفت یعنی کشمیرئے بطرف ملک

حضرت والد کے سامنے سخت قسم کھا
کر ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا
ایک کشمیری ملک دکن کی طرف گیا اور

دکن رفتہ پیش راجہ در فرقۂ باورچیاں نوکر
شد بعد مردنش موافق دستور آں جا منجملہ
جماعہ خدامِ خاص ایں کس را ہم در سردانہ
بہ نہادند، چہ می بنید وقت شب دو فرشتہ
مہیب چنانچہ در حدیث آمدہ است آمدند
از خوف آنہا بگوشہ رفتم معلوم نیست
مارا چہ سوال و جواب شد آخرش او را
می زدند اعضایش ریزہ ریزہ شدند
ماہم بے ہوش شدیم و بعضے مردند من
کلمہ می خواندم و فرشتہا جانب من دیدند
و مارا بعد از گفتن کہ چرا آمدہ بودی در
کشمیر رسانیدند پارچہ از اعضایش کہ
بہ بدنِ من ریزہ شدہ رسیدہ بود سوزش
آں نمی رفت ہر چند معالجہ کردم بہ نمی شد
در دہلی آمدم پیش بزرگاں و اطبا رجوع
کردم ہیچ فائدہ نہ شد مگر عمّ شما ابو رضا
محمد درود فرمودند تا چنیکہ بر دست
نفث زدہ بر آں می مالم تسکین می نماید
سخت تنگ ہستم۔

ص ۶۸، ۶۹

راجہ کے یہاں باورچیوں میں ملازم ہوگیا
اس کے مرنے کے بعد وہاں کے دستور کے
مطابق دوسرے خاص خادموں کی نعش کے
ساتھ سردخانے میں رکھا۔ کیا دیکھا کہ رات
کے وقت دو فرشتے ڈراونی صورت جیسا
کہ حدیث میں آیا ہے آئے۔ میں ان کے
خوف سے ایک کونے میں چلا گیا۔ مجھے
معلوم نہیں کیا سوال وجواب ہوئے آخر
کار اس کو مارتے تھے اس کے اعضا ریزہ
ریزہ ہوگئے۔ میں بھی بے ہوش ہوگیا
میں کلمہ پڑھتا تھا اور فرشتے میری جانب
دیکھتے اور دریافت کرنے کے بعد کہ یہاں
کیوں آیا کشمیر پہنچا دیا، اس کے اعضا
جو ریزہ ریزہ ہوگئے تھے، اس میں سے
ایک ٹکڑا میرے جسم کو لگ گیا اس کی
سوزش نہیں جاتی، بہت کچھ علاج و
معالجہ کیا لیکن فائدہ نہ ہوا، دہلی آیا ہوں
بزرگوں اور طبیبوں کی طرف رجوع کیا لیکن
کوئی فائدہ نہ ہوا آپ کے چچا ابو رضا محمد
نے فرمایا کہ اس طرح درود شریف پڑھ کر
ہاتھ پر دم کرتا ہوں اور اس جگہ ملتا
ہوں اس سے تسکین ہوتی ہے بہت
زیادہ تنگ ہوں۔

سنین حیات شاہ ولی اللہؒ

ولادت ۴ر شوال	سنہ ۱۱۱۴ھ	سنہ ۱۷۰۳ء
ولادت برادر خورد شاہ اہل اللہ	سنہ ۱۱۱۹ھ	۱۷۰۷-۸ء
رسم "مکتب"	۱۱۱۸ھ	۱۷۰۶-۷ء
تعلیم نماز، پہلا روزہ، ختم قرآن	۱۱۲۱ھ	۱۷۰۹-۱۰ء
شرح جامی	۱۱۲۴ھ	۱۷۱۲ء
ازدواج	۱۱۲۸ھ	۱۷۱۵ء
وفات خوش دامن	۱۱۲۸ھ	۱۷۱۵ء
بیعت	۱۱۲۹ھ	۱۷۱۷ء
فراغت درس، اجازت تدریس	۱۱۲۹ھ	۱۷۱۷ء
اجازت بیعت وارشاد	۱۱۳۱ھ	۱۷۱۹ء
وفات والد (شاہ عبدالرحیم) ۱۲ر صفر	۱۱۳۱ھ	۱۷۱۹ء
اجازت بنام شیخ بدرالحق پھلتی	۱۱۴۲ھ	۱۷۳۰ء
آغاز سفر حج ۸ر ربیع الثانی	۱۱۴۳ھ	۱۷۳۱ء
مراجعت وطن ۱۴ر رجب	۱۱۴۵ھ	۱۷۳۳ء
اجازہ بنام شیخ نوراللہ	۱۱۴۶ھ	۱۷۳۴ء
تالیف ہمعات	۱۱۴۸ھ	۱۷۳۵ء
تفسیر فتح الرحمٰن	۱۱۵۱ھ	۱۷۳۸ء

اجازہ بنام مولوی محمد شریف	۱۱۵۳ھ	۱۷۴۰ء
اجازہ بنام شاہ محمد عاشق	۱۱۵۵ھ	۱۷۴۲ء
قصیدۂ اطیب النغم	۱۱۵۶ھ	۱۷۴۳ء
عقدِ ثانی	۱۱۵۷ھ	۱۷۴۴ء
قصیدۂ ہمزیہ	۱۱۵۷ھ	۱۷۴۴ء
اجازہ بنام خواجہ محمد امین کشمیری	۱۱۵۸ھ	۱۷۴۵ء
اجازہ بنام شیخ محمد بن پیر محمد	۱۱۵۹ھ	۱۷۴۶ء
ولادت شاہ عبدالعزیز	۱۱۵۹ھ	۱۷۴۶ء
اجازہ بنام مولوی عبدالرحمٰن	۱۱۶۰ھ	۱۷۴۷ء
تبییض الخیر الکثیر	۱۱۶۱ھ	۱۷۴۸ء
ولادت شاہ رفیع الدین	۱۱۶۳ھ	۱۷۴۹ء
ولادت شاہ عبدالقادر	۱۱۶۷ھ	۱۷۵۳ء
ولادت شاہ عبدالغنی	۱۱۷۱ھ	۱۷۵۸-۷ء
اجازہ بنام شیخ جاراللہ	۱۱۷۳ھ	۱۷۶۰-۵۹ء
ولادت امۃ العزیز	۱۱۷۵ھ	۱۷۶۱ء
وفات	۱۱۷۶ھ	۱۷۶۲ء

حیاتِ شاہ ولی اللہؒ کے چند خاص مآخذ

معاصر مآخذ:

الروضۃ القیومیہ از ابوالفیض کمال الدین محمد احسان

مقاماتِ مظہری	از شاہ غلام علی	مطبوعہ ۱۸۹۱ء
مناقب فخریہ	از نواب غازی الدین خاں	مطبوعہ ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء
فخر الطالبین	از نور الدین حسین فخری	" " "
القول الجلی (قلمی)	شاہ محمد عاشق	

مقدمہ الخیر الکثیر شاہ محمد عاشق
مکتوبات شاہ ولی اللہ (قلمی) مرتبہ شاہ عبدالرحمٰن و شاہ محمد عاشق
سیاسی مکتوبات (شاہ ولی اللہؒ) مرتبہ خلیق احمد نظامی
مکتوبات مع مناقب امام بخاری مرتبہ خواجہ محمد امین ولی اللہی۔ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی
انفاس العارفین شاہ ولی اللہؒ (بشمول الخیر اللطیف) مطبع احمد دہلی

مکتوبات المعارف		۱۳۱۶ھ	۱۸۹۸ء
ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ	تالیف ۱۲۳۳ھ	مطبوعہ ۱۳۰۴ھ	۱۸۱۷ء
وقائع عبدالقادر خانی	مرتبہ محمد ایوب قادری	تالیف	۱۸۳۱ء
آثار الصنادید	سر سید احمد خاں	تالیف	۱۸۴۶ء
الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی از محسن ترہتی		"	۱۸۶۳ء
کمالات عزیزی	نواب مبارک علی خاں		۱۸۷۳ء
مقالات طریقت	عبدالرحیم ضیا		۱۸۷۴ء
ابجد العلوم	نواب صدیق حسن خاں		۱۸۸۰ء
اتحاف النبلاء	"		۱۲۸۸ء
الحطہ بذکر الصحاح الستہ	"		"
حدائق الحنفیہ	فقیر محمد جہلمی		"
تذکرۂ علماء ہند	رحمٰن علی		۱۸۹۰ء
مقدمۂ فتاویٰ شاہ عبدالعزیزؒ از مرزا محمد بیگ دہلوی		مطبوعہ	۱۸۹۲ء
یادگار دہلی	سید احمد ولی اللہی		۱۸۹۲ء
خاتمۂ تاویل الاحادیث	"		"
خاتمۂ تکملۂ ہندی	"		"
حالات عزیزی	"		"
حیات عزیزی	رحیم بخش دہلوی		۱۸۹۹ء
حیات ولی	"		۱۹۰۱ء

واقعات دار الحکومت دہلی	بشیر الدین احمد	۱۹۱۹ء
نزہتہ الخواطر	مولوی عبدالحیٰ	وفات مؤلف ۱۹۲۳ء
امیر الروایات		۱۹۲۵ء
التحفتہ الدہلویہ	عبدالوہاب دہلوی مکی	۱۹۳۳ء
الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر		۱۹۴۰ء
تصانیف مولینا عبیداللہ سندھی		۱۹۴۰ء اور بعد

تصانیف شاہ ولی اللہؒ

تصانیف مطبوعہ : عہ

تفسیر فتح الرحمٰن	مطبع ہاشمی میرٹھ	۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء
الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر	مطبع احمدی ہوگلی	۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء
فتح الخبیر (الفوز الکبیر کا باب پنجم)	"	"
تاویل الاحادیث	مطبع احمدی دہلی	
مقدمہ در فن ترجمۂ قرآن	اصح المطابع کراچی	
المصفّٰی شرح موطا جلد اوّل	مطبع فاروقی دہلی	۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء
المسوّیٰ شرح موطا عربی	مطبع مرتضوی دہلی ۱۲۹۳ھ برحاشیہ مصفّٰی	
المصفّٰی ، فارسی		۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء
چہل حدیث	مطبع احمدی ہوگلی	۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء
الدر الثمین	سہارن پور	۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء
النوادر	"	"
الارشاد الیٰ مہمات الاسناد	مطبع احمدی دہلی	۱۳۰۷ھ
تراجم ابواب بخاری	سہارن پور	۱۲۹۲ھ/۱۸۸۸ء

عہ ہم صرف پہلی اشاعتوں کا ذکر کریں گے۔

شرح تراجم بعض ابواب بخاری	حیدر آباد دکن	۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۷ء
انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	مطبع احمدی دہلی	۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء
اتحاف النبیہ (انتباہ کے باقی دو ابواب)	مکتبہ سلفیہ لاہور	۱۹۶۹ء
حجۃ اللہ البالغہ	مطبع صدیقی بریلی	۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
البدور البازغہ	مجلس علمی ڈابھیل	۱۳۵۴ھ
الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	مطبع صدیقی بریلی[1]	۱۳۰۷ھ
عقد الجید	"	۱۳۰۹ھ
قرۃ العینین	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۱۰ھ
حسن العقیدہ	مطبع احمدی دہلی	
وصیت نامہ	مطبع احمدی ہوگلی	(سال طباعت ندارد)
تفہیمات الٰہیہ حصہ اول (ناقص)	ناشر مولوی سید عبد الغنی دہلی	(سن ندارد)
" (مکمل)	مجلس علمی ڈابھیل	۱۹۳۶ء
الخیر الکثیر	"	۱۳۵۴ء
فیوض الحرمین	مطبع احمد دہلی	۱۳۰۸ء
القول الجمیل	مطبوعہ	
ہمعات	ناشر مولانا نور الحق علوی[2] لاہور	۱۹۴۱ء
لمحات	شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ	(سن ندارد)
سطعات	مطبع احمدی دہلی	۱۳۰۷ھ
الطاف القدس	"	"
ہوامع	"	"
کشف الغین فی شرح رباعیتین	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۱۰ھ
سرور المحزون	دار الاشاعت کراچی	۱۳۵۸ھ
ازالۃ الخفا	مطبع صدیقی بریلی	۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء

---

[1] اس سے پہلے کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

[2] اس سے پہلے بھی ایک بار شایع ہو چکی ہے۔

انفاس العارفین مع الجزء اللطیف	مطبع احمدی دہلی (سن ندارد) تقریباً	۱۳۱۶ھ
السر المکتوم		
سیاسی مکتوبات	مرتبہ خلیق احمد نظامی دہلی	۱۹۵۰ء
مکتوبات المعارف	مطبع مطلع العلوم سہارن پور	۱۳۰۴ھ
مکتوبات مع مناقب امام بخاری	مطبع احمدی دہلی	۱۳۰۸ھ
قصیدہ اطیب النغم	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۰۸ھ
قصیدہ ہمزیہ	"	"
صرف میر منظوم	مطبع محمدی لاہور	۱۲۹۳ھ
رسالہ دانش مندی	مطبع احمدی دہلی	۱۸۹۹ء

تصانیف غیر مطبوعہ

(۱) المقدمۃ السنیہ فی انتصار الفرقۃ السنیہ (شیخ مجدد کے ایک فارسی رسالہ رد روافض کی تعریب مع یک تمہید) کتب خانہ سعیدیہ ٹونک میں اس کا ایک نسخہ ہے۔

(۲) دعاء الاعتصام شاہ عزیز نے رسالہ فیض عام (مشمولہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز ص۱۸۱) میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عاشق نے اس کی شرح لکھی تھی، شاہ ولی اللہؒ نے اس شرح کی ایک منظوم تقریظ بھی لکھی تھی۔

(۳) النخبۃ فی سلسلۃ الصحبۃ، شاہ ولی اللہؒ نے شاہ جار اللہ کو ۱۱۰۳ھ میں جو سند اجازہ دی تھی اس میں اپنی تصانیف میں اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ (المسوی طبع مکۃ معظمہ، مقدمہ ص۵۳)

(۴) مجموعۂ مکاتیب۔ شاہ محمد عاشق کے فرزند شاہ عبدالرحمٰن نے شاہ ولی اللہؒ کے مکاتیب کا ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا، ان کی وفات تک ۲۸۱ مکاتب جمع ہوئے تھے شاہ عاشق نے اس حصے کو جلد اول قرار دے کر دوسری جلد کا آغاز کیا اور اس میں مزید، خطوط جمع کیے اس طرح ۳۵۸ خطوط ہو گئے، یہ مجموعہ مکاتیب مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کے کتب خانے میں ہے، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اسی میں سے سیاسی خطوط کا انتخاب شائع کیا ہے۔ (سیاسی مکتوبات، مقدمہ)

(۵) "الفضل المبین فی المسلسل من الحدیث النبی الامین" اس کتاب کا ذکر شاہ صاحبؒ

نے اپنی ایک سند مرقومہ ۱۱۵۹ھ بنام شیخ محمد بن پیر محمد بن شیخ ابوالفتح میں کیا ہے جو کتب خانہ بانکی پور میں صحیح بخاری کے ایک نسخے پر مرقوم ہے اور جس کا عکس "الخیر الکثیر" مطبوعہ ڈابھیل کے آغاز میں ہے۔

(۶) حاشیہ رسالہ لبس احمر، شاہ عبدالعزیزؒ نے شاہ صاحب کے اس رسالہ کا ذکر فرمایا ہے (فتاویٰ شاہ عبدالعزیز ص۱۲۸)

(۷) اسرار فقہ

(۸) منصور — ان دونوں کتابوں کا ذکر مولانا سید محمد نعمان رائے بریلی نے اپنے ایک مکتوب بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی میں کیا ہے (الفرقان صفر ۱۳۸۵ھ مولانا نسیم احمد فریدی)

(۹) فتح الودود فی معرفۃ الجنود

(۱۰) شفاء القلوب

(۱۱) عوارف

(۱۲) واردات

(۱۳) نہایات الاصول

(۱۴) الانوار المحمدیہ

(۱۵) فتح السلام

(۱۶) رسالہ در ذکر روافض در رد "گوہر مراد"[عله]

(۱۷) کشف الانوار۔ (۹ سے ۱۶ رسائل یا کتب کا ذکر عبدالرحیم ضیا نے مقالات طریقت ص۹ پر کیا ہے، ۵ سے ۱۶ تک کے رسائل یا کتب کے صرف اسماء ہی معلوم ہیں نہ صرف یہ کہ یہ طبع نہیں ہوئے بلکہ یہ تک معلوم نہیں کہ مخطوطات کی شکل میں کہاں کہاں پائے جاتے ہیں؟

تلامذہ و مریدین شاہ ولی اللہؒ

شاہ اہل اللہ پھلتی — خاتمہ تکملہ ہندی ص۹۶

عله گوہر مراد عبدالرزاق لاہجی شاگرد صدر شیرازی کا رسالہ ہے۔

شاہ محمد عاشق پھلتی	تفہیمات الٰہیہ جلد اوّل ص۱۲۰
شاہ عبدالعزیزؒ	عجالۂ نافعہ
شاہ رفیع الدین	
خواجہ محمد امین ولی اللّٰہی	فتح الرحمٰن، مکتوبات مع مناقب ص۲۹
قاضی ثناء اللہ پانی پتی	مکتوب قاضی صاحب در کلمات طیبات ص۱۵۸ استقصاء الافہام ص۵ از مولوی حامد حسین کنتوری
مخدوم محمد معین تتوی	مکتوبات مع مناقب ص۲۶ التحفۃ الدھلویہ
مولوی مخدوم لکھنوی	تذکرۂ علماء ہند ص۲۲۳
مولوی رفیع الدین مرادآبادی	حدائق الحنفیہ ص۴۶۳ نزہۃ الخواطر ص۱۸۲
مولوی امین اللہ نگرنہوی	نزہۃ الخواطر ص۵ تاریخ مدرسہ عالیہ ص۱۸۶
جار اللہ بن عبدالرحیم لاہوری ثم المدنی	المسوّیٰ طبع مکہ ص۵۳
عبدالہادی	معارف اعظم گڑھ (مولانا منظور الحسن برکاتی)
شاہ ابوسعید رائے بریلوی	خاتمہ تاویل الاحادیث ص۸۸ نزہۃ الخواطر التحفۃ الدھلویہ طبع مکہ۔
سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	التحفۃ الدھلویہ
شیخ محمد بن ابی الفتح بلگرامی	〃
قمرالدین منت	فخر الطالبین ص۲۰
نوراللہ بن معین الدین پھلتی	تفہیمات الٰہیہ جلد اوّل ص۱۴
محمد شریف بن خیرالدین بن عبدالغنی	〃 〃 〃 ص۱۰۲
اکھمانہ کوٹ (سندھ)	〃 〃 〃
حافظ عبدالرحمٰن تتوی	〃 〃 〃 ص۲۳۶
شیخ بدرالحق پھلتی	〃 〃 جلد ثانی ص۲۳۶
محمد عابد بن علاء الدین پھلتی	〃 〃 جلد اوّل ص۱۴
میاں داؤد	فخر الحسن از مولانا فخر الدین دہلوی
مولانا خیرالدین سورتی	تراجم علماء حدیث

سید جمال الدین رام پوری	علم و عمل ص ۱۶۴
مخدوم محمد امین والد محمد معین تتوی	تراجم علما حدیث
شیخ محمد بن پیر محمد بن ابی الفتح	〃
عبد اللہ خاں رام پوری	〃
محمد سعید خاں رام پوری	〃
شاہ نثار علی الہ آبادی ثم مظفر پوری	〃
شیخ ابراہیم آفندی	مکتوبات مع مناقب ص ۹
حافظ عبد النبی عرف عبد الرحمٰن	خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۵۸
سید شرف الدین محمد	〃 〃 〃
مرزا رستم علی بیگ (مرید)	مقالاتِ طریقت ص ۲۴۷
بابا فضل اللہ کشمیری	مقالاتِ طریقت ص ۱۳
بابا محمد عثمان کشمیری	حدائق الحنفیہ ص ۴۵۶

شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان
کی
تحریرات میں تحریفات

فتنۂ تاتار اور "زوال ملک مستعصم" سے ماقبل کے علما اور مصنّفین کی کتابیں نایاب اور ناپید ہوگئیں تو اس کا سبب ظاہر ہے اور اسی سبب کے زوال کی بنا پر مابعد فتنہ کے علما و مصنّفین میں سے بیش تر کی بیش تر کتابیں آج کہیں کہیں دستیاب ہیں۔

لیکن جو معاملہ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کی تالیفات کے ساتھ ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے، کہا جا سکتا ہے کہ سقوط دہلی (۱۸۵۷ء) کے اثرات کو اس میں دخل ہوگا مگر یہ بات اس لیے قرینِ صحت نہیں ہے کہ ان حضرات کی تالیفات کی کم یابی و نایابی اور ان میں تحریفات کا سلسلہ تو سقوط دہلی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا، ۱۸۳۴ء میں سید عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی ہوگلی سے الفوز الکبیر شائع کی تو انھیں اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ملا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سقوط دہلی سے ۲۳ سال پہلے ہی شاہ صاحب کی کتابیں کم یاب تھیں کیوں کہ سید عبداللہ اس خانوادے کے نیازمندوں میں سے تھے اور ان کے اکابر حلقے سے مراسم تھے۔ مطبع احمدی بھی صرف اسی حلقے کی کتابوں کی اشاعت کے لیے قائم کیا تھا۔

شاہ صاحب کی کتابوں کی نایابی کا یہ عالم ہے کہ تقریباً ۱۲ رسائل وکتب ایسے ہیں جن کے صرف ناموں ہی کی حد تک دنیا ان سے واقف ہے۔ آج تک کم سے کم خاکسار کے علم میں ان کتابوں کا کوئی مخطوطہ نہیں ہے[1]:

(حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

(۱) فتح الرد ود فی معرفۃ الجنود (۲) شفاء القلوب (۳) عوارف (۴) نہایات الاصول (۵) الانوار المحمدیہ (۶) فتح السلام (۷) کشف الانوار (۸) اسرار فقہ (۹) منصور (۱۰) حاشیہ رسالۂ لبس احمر (۱۱) دعاء الاعتصام (۱۲) النخبہ فی سلسلۃ الصحبہ۔

دو کتابیں نایاب تو نہیں ہیں یعنی ان کے ایک ایک مخطوطے کا دنیا کو علم ہے مگر وہ ابھی تک غیر مطبوع ضرور ہیں (۱) المقدمۃ السنیہ فی انتصار الفرقۃ السنیہ (۲) مجموعہ مکاتیب (مرتبہ شاہ عبدالرحمٰن و شاہ محمد عاشق)

شاہ صاحب کے مصنفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ ایسے مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔

شاہ عزیزؒ کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین نے اردو، فارسی اور عربی میں متعدد رسائل و کتب تالیف فرمائی، مگر ان میں سے متعدد ابھی تک مخطوط صورت میں برِ صغیر کے صرف دو ایک کتاب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ کئی رسائل و کتب کا نام کے سوا کوئی نشان نہیں ملتا۔

تحریف کا نشانہ بھی شاہ صاحب کی تالیفات ہوئیں۔ شاہ صاحب کا اردو ترجمۂ قرآن کئی بار شایع ہو چکا ہے، قرآن مجید کا مکمل ترجمہ ہے۔ مگر عبدالرحیم ضیا کا بیان ہے کہ :۔ ترجمہ قرآن تحت لفظی بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی ہے[۱]

شاہ صاحب نے فارسی میں ایک رسالہ تنبیہ الغافلین کے نام سے لکھا تھا ایک نو مسلم منشی بینی نارائن جہاں لاہوری نے اس رسالے کا اردو ترجمہ کیا تھا سید عبداللہ بن بہادر علی (صاحب مطبع احمدی ہوگلی) کا بیان ہے کہ یہ ترجمہ بے

گزشتہ صفحہ کا حاشیہ۔ ؏ کتب ۱ سے ۳ تک کے نام مقالات طریقت میں ہیں، کتب ۴ و ۵ کے نام مکتوب سید محمد نعمان (مکتوبات المعارف) میں ہیں، کتاب ۸ کا نام شاہ عبدالعزیزؒ کی ایک تحریر (مجموعہ فتاویٰ) میں ہے ۱۱ کا ذکر بھی فتاویٰ میں ہے ۱۲ کا نام خود شاہ صاحبؒ نے اپنی ایک سند عطا کردہ شیخ جاراللہ میں ہے۔

[۱] مقالات طریقت ص ۱۸)

محاورہ تھا اور ترجمہ آیاتِ کلام اللہ بھی غلط تھا، لیکن خود سیّد عبداللہ نے جو ترجمہ ۱۸۲۰ء میں کیا تھا اس کے لیے خود ان کا بیان ہے کہ اس میں آیات و احادیث و قصص کا اضافہ کیا ہے، اس سے پہلے یہ رسالہ کسی صاحب نے اپنے نام سے شائع کر دیا تھا لطف کی بات یہ ہے کہ تنبیہ الغافلین کے تالیف شاہ رفیع الدین ہونے کا علم ہی دنیا کو صرف جہاں کے حوالے سے ہے۔ عله

شاہ ولی اللہؒ کے تیسرے فرزند شاہ عبدالقادر کے ایک اردو رسالے تقریر الصلوٰۃ کا مولوی سیّد عبدالحئی نے ذکر کیا ہے عله مگر اس رسالہ کا وجود تو درکنار اس کا نام بھی مولوی عبدالحئی کے علاوہ کسی اور نے نہیں لیا۔

شاہ صاحبؒ نے قرآن کریم کا جو اردو ترجمہ کیا تھا، اس کا سب سے پہلا ایڈیشن سیّد عبداللہ نے مطبع احمدی ہوگلی سے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا تھا مگر یہ ترجمہ "موضح القرآن" کے نام سے اور اضافات کے ساتھ ۱۳۰۸ھ میں دہلی سے شائع کیا گیا۔

شاہ ولی اللہؒ کے ابناء ہی نہیں احفاد بھی تحریف و ترمیم اور غلط انتساب کا ہدف بنے۔

عله تنبیہ الغافلین کے سلسلے میں تمام تفصیل مولانا عبدالحلیم چشتی کے ایک محققانہ مقالہ سے ماخوذ ہے۔ بینات کراچی رمضان ۱۳۸۳ھ عله الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند طبع بیروت ص۱۸!!

تحریکِ ولی اللٰہی

کیا وہ کامیاب رہی؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبت کی عظمت و جلالت میں کلام و گفتگو کی گنجایش نہیں ہے۔

لیکن اگر عُلوِ مقام، قبول عام کو مستلزم نہیں ہے تو اس مسئلے میں اختلاف آرا کی گنجایش ضرور ہے کہ

"شاہ صاحبؒ کی تحریک کامیاب بھی رہی یا نہیں؟"

اس موضوع پر ہمارا حاصل فکر و مطالعہ استفادۃً پیشِ خدمت ہے۔ ماضی میں افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کے اوّلین ذرائع بالعموم دو ہوتے تھے۔ اخلاف و تلامذہ

تصانیف و تالیف

مطلب یہ ہے کہ عہدِ ماضی میں کسی مفکر کے نظامِ فکر کی اشاعت اور ترویج کی صورت یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی تحریروں میں اپنے اندازِ فکر اور طرزِ تحقیق کا ابلاغ کرتا اور اپنے نتائجِ تحقیق پیش کر کے بساطِ حیات لپیٹ دیتا تھا۔ اس کے بعد اس کی ترتیب کردہ جماعت (اخلاف و تلامذہ) آتی تھی، یہ لوگ اسی کے اندازِ فکر پر سوچتے، اسی کی زبان میں بات کرتے اور اسی کی تحقیقات کو اپنی تحریروں میں نشراتے تھے، اس کے اجمال میں تفصیل کا رنگ بھرتے، اس کے بعد ضعیف دلائل کو قوی کرتے

اس کے دعاوی میں امثلہ و نظائر کی کمی ہوتی تو اسے دور کرتے، اس کی کسی عبارت میں خلا ہوتا تو اسے پُر کرتے، اس کے غیر مرتّب کو مرتّب کرتے اور اس طرح بالآخر ایک فرد ایک ادارہ، ایک شخص ایک جماعت اور ایک آواز ایک تحریک بن جاتی تھی۔ اور پھر اس تحریک کی کامیابی و ناکامی کے امکانات پیدا ہوتے تھے۔

اخلاف و تلامذہ

شاہ صاحبؒ کے براہِ راست اخلاف و تلامذہ کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شاہ صاحبؒ کا پورا پورا ہم نوا اور ہم زبان نہیں ہے، شاہ عبدالعزیزؒ نہ کلامی خلافیات میں ان کے ہم نوا ہیں نہ فقہی خلافیات میں، ان کے تحفۂ اثنا عشریہ کا رنگ، ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین سے مختلف ہے، شاہ ولی اللہؒ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے انعقاد خلافت کے قائل نہیں ہیں، شاہ عبدالعزیزؒ اس کے قائل ہیں۔[۱]

شاہ ولی اللہؒ احناف کے اصول فقہ کو صحیح نہیں سمجھتے، شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کی پُر زور و مدلّل تصویب و تائید کی ہے۔[۲] شاہ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی اور شاگرد شاہ اہل اللہ شاہ صاحبؒ کے برعکس "حنفی حنیف" تھے، انھوں نے فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا خلاصہ کیا، دوسری کتاب کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ کر کے اسے رائج کرنا چاہا، ملا معین ٹھٹھوی[۳] پر تشیع کا غلبہ تھا، قمر الدین منت جو شاگرد بھی تھے اور عزیز بھی شیعی ہو گئے تھے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے برملا شاہ صاحبؒ سے اظہارِ اختلاف اور تغلیط کی ہے۔[۴] شاہ محمد عاشق کی تمام تصانیف نادر الوجود ہیں۔ اصل فن حدیث پر نہ شاہ محمد عاشق کی کوئی کتاب ہے نہ شاہ عبدالعزیزؒ کی، حال آں کہ حدیث شاہ صاحبؒ کا خاص فن تھا، شاہ صاحبؒ موطا کو رائج کرنا چاہتے تھے مگر ولی اللّٰہی مدارس ہی میں رائج نہ ہو سکی۔

---

[۱] شاہ اسماعیل نے بھی "منصب امامت" میں انعقاد خلافت سیدنا علیؓ کو محکم و مدلّل کیا ہے۔

[۲] "رسالہ اصول فقہ حنفی" و "رسالہ ماخذ ائمہ اربعہ" (مشمولہ فتاویٰ عزیزی جلد اوّل)

[۳] مقدمہ دراسات اللبیب از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کراچی

[۴] وصایا اربعہ مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری ص۸۵۔

شاہ صاحبؒ کا ایک خاص اندازِ فکر اور مخصوص طرزِ بیان تھا، انھوں نے چند نئی اصطلاحات وضع کر کے اپنی تالیفات میں استعمال کی تھیں، چند نئے نظریات پیش کیے تھے مگر شاہ صاحب کے اخلاف اور تلامذہ نہ ان کے انداز پر سوچتے ہیں نہ ان کی زبان میں بات کرتے ہیں، نہ ان کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ ولی اللّٰہی مکتبِ فکر سے اپنی وابستگی، دل چسپی اتحاد و اتفاق کا کوئی نمونہ پیش نہیں کرتے۔

ہم نے اب تک گفتگو مدرسۂ رحیمیہ تک محدود رکھی ہے کیوں کہ شاہ صاحبؒ کے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کی اوّلین ذمہ داری اسی حلقے پر عائد ہوتی ہے مگر جب یہی حلقہ خاموش اور کٹا کٹا سا نظر آئے تو بیرونِ حلقہ ان کی ترویج و اشاعت کی توقع بے جا ہی ٹھہرے گی مگر پھر بھی ہم اس حلقے سے باہر ــــ معاصرین و متاخرین کے حلقوں کا جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان حلقوں نے شاہ صاحبؒ سے خصوصی اعتنا کا معاملہ نہیں کیا۔

غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۲۰۰ھ) نے معاصر ہونے کے باوجود شاہ صاحبؒ کا تذکرہ مآثر الکرام میں نہیں کیا، کئی قریب العہد تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحبؒ کا تعارف شاہ عبدالعزیزؒ کے واسطے سے کرایا ہے، سعادت یار خاں رنگین ۔ عہ۱

"شاہ عبدالعزیزؒ کے والد"

مرزا علی لطف عہ۲

"والدِ ماجد ہیں یہ اس رونق بخش کشور قناعت کے جس کا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے۔"

تذکرہ نگاروں کو چھوڑ کر علما کی محفل میں چلیے۔ علما جب کسی شخصیت سے متاثر ہوتے ہیں تو اس کی کتابوں کی شرحیں لکھتے ہیں اس پر حواشی تحریر کرتے ہیں۔ اس کی کتابوں کی احادیث و روایات کی تخریج کرتے ہیں یا اپنی کتابوں میں اس عالم کے نظریات سے کوئی معاملہ ابطال یا اثبات کا کرتے ہیں۔ اختلاف کی لے بڑھ جائے

عہ۱ وصایائے اربعہ صفحہ ۵۸ عہ۲ گلشن ہند، انجمن ترقی اردو ہند حیدر آباد دکن ۱۹۰۱ء

تو بات تکفیر و تفسیق و تضلیل تک جا پہنچتی ہے۔ قبول و اتفاق کی صورت میں اس کے اقوال سے استناد و استدلال کرتے ہیں، اس کی کتابوں کو داخل نصاب درس کرتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے ساتھ اعتنا کی ان اشکال میں سے کوئی بھی شکل اختیار نہیں کی گئی، شاہ صاحبؒ کی تالیفات کی طرف جب ان کے حلقے کے علما نے توجہ نہیں کی تو بدیگراں چہ رسد۔ دیوبند جیسے ولی اللہی مدرسے میں شاہ صاحبؒ کی کوئی کتاب داخل نہیں کی گئی تو دوسرے مدارس کا کیا تذکرہ؟ دیوبند میں شاہ صاحب کے متعلق کیا رائے تھی اس کا اندازہ مولانا سندھی کے اس قول سے کیجیے کہ ان کے دورِ تعلّم میں یہ حالت تھی کہ مولانا محمود الحسن کو جب شاہ ولی اللہ یا شاہ عبدالعزیزؒ کی رائے کسی مسئلے میں بیان کرنی ہوتی تو وہ ان حضرات کا نام لینے کے بجائے فرماتے کہ محققین کی اس مسئلے میں یہ رائے ہے کیوں کہ

"حضرت جانتے تھے...... کہ شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کی بات سننے کے لیے طلبہ تیار نہیں ہوں گے" عـ۲

تصانیف و تالیف

شاہ صاحبؒ کی تالیفات کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ان میں سے ایک تعداد طبع ہو چکی ہے (۲) ایک تعداد غیر مطبوعہ کتابوں کی ہے جو مخطوطات کی شکل میں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں (۳) ایک اور تعداد ان کتابوں کی ہے جس کے صرف ناموں سے دنیا آشنا ہے، ان کے مخطوطات کا کوئی سراغ ـــــ کم سے کم راقم الحروف کو نہ مل سکا۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تالیفات ابتدا ہی سے کم یاب

عـ۱ اب چند سال سے الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ شامل نصاب کی گئی ہیں۔

عـ۲ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ صـ۱۷

ہیں، فتح الخبیر، حجۃ اللہ البالغہ، البدور البازغہ، ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین جب پہلی بار شائع ہوئیں تو ان کے ناشرین کو ان کے علی الترتیب ایک، چار، تین، تین اور ایک مخطوطے دستیاب ہوئے تھے، کم یابی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کم یابی سن ستاون کے ہنگامے سے قبل ہی شروع ہو گئی تھی، مذکورہ بالا کتابوں میں سے پہلی کتاب ۱۸۴۳ء میں ہوگلی سے شائع ہوئی تھی اور ناشر کو صرف ایک نسخہ ملا تھا جب کہ ناشر اسی حلقے سے وابستہ تھا۔ گویا سن ستاون کے ہنگامۂ رستاخیز سے ۲۲ سال قبل اور شاہ صاحب کی وفات کے ۸۰ سال کے اندر اندر ان کی کتابوں کا قحط شروع ہو گیا تھا، زیادہ حیرت اس پر ہے کہ قحط شاہ صاحب کے خاندان اور اصحاب سلسلہ ہی میں تھا۔ مولوی سید احمد ولی اللٰہی جو شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے۔ انھوں نے مولوی سید عبدالحیٰ (صاحب نزہۃ الخواطر) سے ہمعات بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ مولوی سید احمد کے خواہر زادے مولوی سید عبدالغنی نے جو خود کو "نواسہ و جانشین حضرت شاہ صاحب" لکھتے تھے۔ جب تفہیمات الٰہیہ شائع کی تو اس کے آخر میں یہ اپیل بھی شائع کی تھی کہ جن حضرات کے پاس اس خاندان کے اکابر کے رسائل ہوں وہ ہمیں عاریتاً فراہم کریں کہ ہم انھیں طبع کرا سکیں۔

اب شاہ صاحبؒ کے رسائل و کتب کی طباعت و اشاعت کا جائزہ لیجیے ازالۃ الخفا پہلی بار ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء میں بریلی سے شائع ہوئی تھی ازالۃ الخفا کی وہ اشاعت پہلی بھی اور آخری بھی، اصل فارسی متن آج تک صرف ایک بار شائع ہوا ہے اس واحد اشاعت کی تعداد بھی صرف دو سو تھی۔

البدور البازغہ صرف ایک بار، تفہیمات الٰہیہ کامل صرف ایک بار، مصفیٰ صرف دو بار، مسویٰ صرف تین بار، یہ صرف طباعت کا ذکر تھا، اشاعت و فروخت کا حال یہ ہے کہ مسویٰ (طبع حجاز ۱۹۳۳ء) کا اشتہار آج تک "الولی" (حیدرآباد سندھ) میں شائع ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ۳۵ / ۴۰ سال گزرنے کے باوجود ان کتابوں کے نسخے ابھی تک ختم نہیں ہوئے۔

عہ دہلی اور اس کے اطراف میں ۔ عہ ازالۃ الخفا کے اردو ترجموں کی داستان یہ ہے کہ مکمل اردو ترجمہ پہلی بار کراچی میں شائع ہوا پھر کراچی ہی سے دوبارہ یہی ترجمہ میں چھپا، نامکمل ترجمہ ایک لکھنؤ سے، دوسرا الہ بورے (۱۹۰۶ء) میں اور تیسرا دہلی سے شائع ہوا۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحبؒ کے رسائل وکتب میں سے کچھ تو بالکل ناپید ونایاب ہیں کچھ کے مخطوطات کہیں کہیں سننے میں آتے ہیں باقی جو طبع ہوئے ان کی اشاعت عام نہیں ہو سکی۔

حاصل یہ کہ شاہ صاحبؒ کے مخصوص افکار نظریات کی ترویج واشاعت نہ ان کے اخلاف وتلامذہ کے ذریعے ہو سکی نہ ان کی کتابوں کے ذریعے۔

یہاں بجاطور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور شاہ صاحب قبول عام خواص کیوں حاصل نہ کر سکے؟ ہماری ناقص رائے میں ان کے مسلک اور مشن کے عدم قبول و رواج ونفوذ کے اسباب تین قسم کے ہیں، وہ اسباب

* جن کا تعلق بخت واتفاق سے ہے
* جن کا تعلق شاہ صاحب سے ہے
* جن کا تعلق ہم سے ہے

آیئے، بترتیب ان اسباب کا جائزہ لیں۔

شاہ صاحب کے پانچ صاحب زادے تھے، ان میں سے سب سے بڑے شاہ محمد تھے، شاہ محمد اگرچہ فاضل تھے اور بقول صاحب نزہتہ الخواطر محدث تھے مگر ان کی علمی سرگرمیوں اور افادۂ تدریس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، پھر ان پر جذب غالب تھا، اس لیے وہ خارج از بحث ہیں باقی چار صاحب زادوں میں سے سب سے بڑے شاہ عبدالعزیزؒ تھے، جن کی عمر شاہ صاحب کی وفات کے وقت صرف سولہ[۱۶] سال تھی اور اگرچہ انھوں نے شاہ صاحب سے بھی تحصیل علوم کی تھی مگر تکمیل وفراغت کی منزل والد کی وفات کے بعد شاہ محمد عاشق، شیخ نوراللہ اور خواجہ محمد امین کی رہنمائی میں طے کی تھی، پھر اگرچہ وہ ذکاوت وفطانت کی وافر مقدار سے بہرہ ور تھے مگر بہر حال عمر کی اس منزل پر نہیں پہنچے تھے جہاں باپ اپنے بیٹے کو اپنے اسرار وعلوم منتقل کرتا ہے اور اپنے نظریات کو اس کے قلب میں راسخ اور دماغ میں مستحکم کرتا ہے۔ عمر کی ناپختگی کے علاوہ طالب العلمی کا عہد بھی ان

عہ یہ بھی یاد رکھیے کہ شاہ ولی اللہ وفات سے پہلے امراض وعوارض میں مبتلا اور پھلت میں مقیم رہے اور قبیل وفات پھلت سے دہلی لائے گئے تھے۔

کاموں کے لیے ناموزوں اور ناسازگار ہوتا ہے، فراغت کے بعد جب طالب علم کو قطع کی ہوئی منزلوں کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور حاصل کیے ہوئے ذخیرے کے جائزے کی مہلت ملتی ہے اور تدریس یا تالیف کی ضرورتوں کے پیشِ نظر معلومات کی ترتیب، مختلفات میں تطبیق، اپنے مسلک کی تعیین اور غیر نصابی کتب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے تو درحقیقت وہ منزل آتی ہے جسے قدیم درس گاہی زبان میں "حقیقی طلبِ علم" کی منزل کہا جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ شاہ عبد العزیز کو نوعمری، والد کی مسلسل بیماری، طلبِ علم میں مصروفیت کی بنا پر اپنے والد کے مزاج سے تعارف اور ان کے منفردانہ افکار کے جذب و ہضم کا موقع نہیں ملا تھا۔ دوسرے تین بھائیوں کا تو ذکر ہی کیا؟ کہ وہ علیٰ الترتیب ۱۲، ۸ اور ۴ برس کے تھے حاصل یہ کہ شاہ صاحب کو اس کا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے صاحب زادوں کو اپنے اندازِ فکر کی تربیت دے سکتے۔

اب تلامذہ کو لیجیے، اولاً تو شاہ صاحبؒ کے تلامذہ کی تعداد پہلے ہی بہت مختصر ہے اور اس کمی کی وجہ شاہ عبد العزیزؒ کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ شاہ صاحب نے صرف جوانی میں تدریس کی طرف توجہ کی تھی اور اس کے بعد جب اپنے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرلی جو مختلف فنون کے ماہر تھے تو مدرسہ ان کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے، اسی بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ محدود تعداد ان سے اس عہد میں مستفید ہوئی تھی جب ان کے افکار میں مجتہدانہ رنگ، انقلابیت، انفرادیت اور پختگی نہیں آئی تھی، گویا یہ تلامذہ میاں ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم کے تلامذہ تھے جو اپنے دور کے ایک ممتاز محنت کش، ذہین و مستعد عالم تھے، مفکرِ اسلام، مجددِ مأۃ اور مسوی، مصفی، حجۃ اور ازالۃ کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تلامذہ نہیں تھے۔

ثانیاً جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں چند تلامذہ شاہ صاحبؒ کے مسلک سے منحرف تھے،

عہ ملفوظاتِ عزیزی ص۲

شاہ اہل اللہ "حنفی حنیف" تھے، مخدوم معین تتوی تشیع کی طرف میلان رکھتے تھے۔ قمرالدین منت نے مسلک تشیع اختیار کر ہی لیا تھا۔

ثالثاً شاہ صاحبؒ کی وفات کے صرف دس سال بعد حلقۂ ولی اللٰہی کو ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے حلقے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا، ہوا یہ کہ ایک ہی سال ۱۱۸۷ھ میں حلقہ کے ایک دو نہیں پانچ اراکین واساتین "باجماعت" رحلت کر گئے۔

(۱) شاہ اہل اللہ برادرِ خورد اور شاگرد

(۲) شیخ نوراللہ پھلتی، رفیق درس، ماموں اور خسر

(۳) شاہ محمد عاشق، رفیق درس، شاگرد، دوست میرے بھائی، نسبتی بھائی اور خلیفہ۔

(۴) حاجی محمد سعید بریلوی، شاگرد۔

یہ تھے وہ حالات جن کا تعلق بخت واتفاق سے تھا اور جن کی بنا پر مسلک شاہی کے متبعین و مؤیدین کا دائرہ وسیع نہ ہو سکا۔

فکرِ ولی اللٰہی کے عدمِ قبول کا وہ سبب بھی بہت اہم ہے جس کا تعلق خود شاہ صاحب سے ہے۔ اور اسی سبب کا تعلق ہم ـــــ مخاطبین و قارئین سے بھی ہے۔

شاہ صاحبؒ دراصل غیر معمولی انسان تھے، دل کے لحاظ سے بھی اور دماغ کے لحاظ سے بھی۔

ان کا تفکر حقیقت پسندانہ اور ابلاغ دیانت دارانہ تھا وہ کسی بھی مسئلے پر خواہ اس کا تعلق فقہ سے ہو یا عقائد و کلام تفسیر سے ہو یا تصوف سے، پہلے سے کوئی رائے قائم کر کے غور نہیں کیا کرتے تھے، پھر ان کے نتائج فکر جو کچھ ہوتے تھے ان کو جوں کا توں نذرِ قرطاس و سپردِ قلم کر دیا کرتے تھے۔

ان کا اندازِ فکر غیر جانب دارانہ اور غیر فرقہ وارانہ" تھا۔ وہ خاندانی طور پر فقہ، کلام اور تصوف کے مکاتبِ فکر میں سے ایک مکتبِ فکر سے وابستہ تھے لیکن فکر و تحقیق کے مرحلے میں وہ ہر مسئلے اور ہر جزیئے اپنے مکتبِ فکر کی ہم نوائی اور تائید و انتصار کے پابند ہو کر نہیں رہتے تھے۔

ان کا اندازِ فکر "غیر مقلدانہ" اور مجتہدانہ بھی تھا، وہ صرف نقل واقوال اور جمع و ترتیب پر اکتفا کے قائل نہیں تھے وہ اپنے دماغ کو بھی زحمتِ تفکر دیتے رہنے کے عادی تھے۔

تاریخِ اسلام کے عمیق مطالعے، عالمِ اسلام کے عہدِ حال پر وسعتِ نظر، اسبابِ زوالِ اُمت کے مفصل جائزے، کثرتِ مطالعہ، وسعتِ نگاہ، صوفیانہ اور رِدرمندانہ افتادِ مزاج کی وجہ سے وہ خلافیات میں رفعِ نزاع اور دفعِ تعارض کے لیے کوشاں رہتے تھے، اسبابِ اختلافات کا سراغ لگا کر وجوہ اشتراک معلوم کر لینے کی فکر میں رہتے تھے، تطبیق و توافق ان کا محبوب مشغلہ تھا، اربابِ تسنن اور اصحابِ تشیع کے مختلفات ہوں یا فقہا اربعہ کے تعارضات یا صوفیا کے باہم مناقض نقطہائے نظر، وہ جہاں تک امکان ہوتا ان میں تطبیق کی کوشش کرتے تھے اور متحاربین کو راہِ اعتدال دکھاتے تھے۔

ادھر تو شاہ صاحبؒ اور ان کے تفکر کی یہ شان اور ادھر ہمارا یہ حال کہ ہم عہدِ زوال کی تمام خصوصیات سے بہرا ور، ہم نے دین سیاست ہو یا علم و ادب زندگی کے ہر شعبے میں شطرنج کے سے کچھ خانے بنائے ہیں جو خطوط سے محدود ہیں۔ اب ہر شخص پر ہمارے زعم میں واجب ہے کہ وہ فقہی کلامی، تاریخی، اَدبی، سیاسی مکاتب میں سے کسی ایک مکتب سے کلیتہً اختلاف اور فرض ہے کہ وہ ان خانوں میں سے کسی ایک خانے کے وسط میں خطوط وحدود سے دامن بچا کر کھڑا ہو۔ اب اگر کوئی غریب اپنے دماغ سے سوچنے کا خوگر ہے۔ مسائل میں اس کی اپنی بھی رائے ہوتی ہے اور وہ تحقیق کے بغیر کوئی قول تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور کسی ایک ہی گروہ سے عمومی اور دوامی وابستگی کو واجب اور فرض نہیں سمجھتا اور وہ ان خانوں کی "جغرافیائی حدود" کا شدت سے پابند نہیں ہے اور کسی معاملے میں "خط کے اس پار" والوں سے بھی متفق ہو سکتا ہے تو وہ ان دونوں خانوں والوں کی نظر میں اجنبی ٹھہرتا ہے اور "مشکوک" قرار پاتا ہے کہ ہر مسئلے میں جماعت سے متفق کیوں نہیں ہے ؟ حلقے کا صدفی صد وفادار کیوں نہیں ہے ؟ دوسری جماعت اور حلقے کو شر محض کیوں نہیں سمجھتا ؟ "اغیار" کی آرا کے ساتھ ان کی نیات کو محلِ کلام کیوں نہیں سمجھتا ؟ افکار کے ساتھ ساتھ کردار پر بھی نکتہ چینی اس کے نزدیک نارَوا کیوں ہے ؟

جزئیات میں اختلاف کو اہمیت کیوں نہیں دیتا ؟ وجوہ اِشتراک کی تلاش میں کیوں سرگرداں رہتا ہے ؟

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ جیسا اعتدال پسند "تطبیق کوش" اور خود فکر عالم ہم جیسے "خانہ نشینوں" اور انتہا پسندوں میں کس طرح قبول حاصل کر سکتا تھا اور اس کی تحریک ہمارے معاشرے میں کس طرح رسوخ و رواج پا سکتی تھی ؟

شاہ ولی اللہؒ کا مدرسۂ رحیمیہ

شاہ عبدالرحیم (ف ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) کا مدرسہ کوئی عام اور معمولی درس گاہ نہیں تھا۔ مختلف اعتبارات سے اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اس کے صدر نشینوں معلمین، مستندین کی عظمتِ مقام نے مسلسل ۱½ سو سال تک اس درس گاہ کو برِّ صغیر کی ایک ممتاز ترین درس گاہ بنائے رکھا اور جب تسلسلِ حوادث اس چراغ کو بجھا دینے میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف برِّ صغیر کے گوشے گوشے بلکہ بیرونِ برّ بھی بہت سے مقامات پر اس چراغ سے روشنی حاصل کرنے والے چراغ روشن و فروزاں ہو چکے تھے اور بحمداللہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، یا یوں کہہ لیجیے کہ صرصرِ انقلاب نے اس مرکزی درس گاہ کی خدمات کا سلسلہ اگرچہ منقطع کر دیا مگر ملک و بیرونِ ملک اس کی صدہا شاخیں آج تک قائم و باقی اور سرگرمِ خدمت ہیں۔

یہ مدرسہ صرف ایک درس گاہ نہیں تھا، بلکہ برِّ صغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی ادارہ تھا، اسے ایک خانقاہ کی حیثیت بھی حاصل تھی، یہاں کردار بنائے جاتے تھے، یہاں انسان ڈھالے جاتے تھے اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی، اسے ایک اکادمی کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کیوں کہ اس کے سربراہوں اور اساطین کے قلم اور ذہن تحقیق اور تدقیق کے میدان میں بھی گرم رفتار رہے، اس کی سیاسی خدمات کا باب بھی دوسرے ابواب سے کم اہم نہیں ہے۔ یہاں وقت کے مغل فرماں رواؤں نے نیازمندانہ اور عاجزانہ حاضری دی ہے، پانی پت کا تاریخی

معرکہ کارزار اسی مدرسہ کے ایک رکنِ رکین کا برپا کیا ہوا تھا، سرحد و پنجاب کے میدانوں میں رنجیت سنگھ کی فوجوں سے جن سرفروشوں کی محاذ آرائی ہوئی وہ اسی مدرسے، اسی خانقاہ سے درسِ جہاد لیکر نکلے تھے، جزائر انڈمان کی قبروں میں اسی دبستانِ فکر و عمل کے مستفیدین و متعلّمین محوِ خواب راحت ہیں، رحم اللہ علیہم۔

اسی مدرسے، خانقاہ، اکادمی اور مرکز ملّی و دینی و سیاسی کی تاریخ پیشِ خدمت ہے۔

اس مدرسہ کو اب عموماً مدرسۂ رحیمیہ لکھا اور کہا جانے لگا ہے، یہ نام ابتداءً مولوی سیّد احمد ولی اللّٰہی نے اپنی ایک تحریر میں استعمال کیا تھا۔ ان کی تقلید میں مولوی رحیم بخش نے پھر مولوی بشیر الدین دہلوی نے استعمال کیا اور غلط نہیں کیا مگر واقعہ یہی ہے کہ مولوی سیّد احمد نے پہلے پہل اس مدرسے کو مدرسۂ رحیمیہ کے نام سے یاد کیا تھا، شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہؒ، ان کے فرزند گرامی، تلامذہ وخلفہ میں سے کسی کی تحریر میں یہ نام[2] ہماری نظر سے نہیں گذرا، اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس مدرسے کو یہ نام اس کے ختم ہونے کے بعد دیا گیا ہے۔

بہرحال اس مدرسے کے بانی شاہ عبدالرحیم تھے، مدرسے کے آغاز کے صحیح عہد کا تعیّن مشکل ہے۔ اندازہ ہے کہ ۱۱ ویں ہجری / سترھویں عیسوی کے ربع آخر میں انھوں نے یہ مدرسہ قائم کیا ہوگا، میں سمجھتا ہوں کہ شاہ عبدالرحیم کی حیات میں مدرسہ نام صرف ان کی درس گاہ کا ہوگا۔ ہم شاہ عبدالرّحیم کے علاوہ اس دور کے کسی معلّم سے لاعلم ہیں، اس دور کے طلبہ کی تعداد زیادہ نہیں ہے، اس دور کے سب سے نمایاں طالب العلم تو شاہ ولی اللہؒ ہی ہیں، دوسرا نام شیخ بدر الحق پھلتی کا ہے جن کو والد کی وفات کے بعد ۱۱۴۲ھ شاہ ولی اللہؒ ہی نے سند عطا کی تھی۔[3]

---

[1] خاتمہ تاویل الاحادیث ص۔۔ وحیات ولی ص۲۳ واقعات دارالحکومت دہلی حصّہ دوم ص۵۹

[2] فتاویٰ شاہ عبدالعزیز میں شاہ غلام علی اور شاہ عزیز کی جو مراسلت درج ہے اس میں دونوں نے صرف "مدرسہ" کا لفظ لکھا ہے۔ شاہ غلام علی نے "در مدرسہ ما فقیران" اور شاہ عبدالعزیز نے "دریں مدرسہ" لکھا ہے ص۱۹ ملحقات۔ شاہ عبدالعزیز میں بھی ایک جگہ مولف نے لکھا ہے "بزمانہ رفتہ بمدرسہ آمدند" ص۔۔ شاہ ولی اللہ نے الجزء اللطیف میں ۔۔ مدرسہ کا لفظ لکھا ہے ص۱۱۱ ۔ [3] تفہیمات الٰہیہ جلد اوّل ص۲۳

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں [۱]

"مدرسہ شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالرحیم نے اپنے مکان مہندیوں میں عہدِ عالمگیر میں قائم کیا۔"

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں [۲]

"شیخ (عبدالرحیم) صاحب نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسۂ رحیمیہ رکھا۔"

مدرسہ کا اصل اور روشن دَور، شاہ ولی اللہؒ کا دَور ہے، شاہ صاحب نے اپنے والدِ ماجد کی حیات ہی میں تدریس کا آغاز کر دیا تھا، والد کی وفات کے بعد زیادہ احساسِ ذمہ داری اور زیادہ انہماک کے ساتھ تدریس میں مشغول ہو گئے، فرماتے ہیں [۳]

بعد از وفات ایشاں دوازدہ سال کم وبیش بدرس کتبِ دینیہ وعقلیہ مواظبت نمود۔

والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲ سال دینیات و معقولات کی کتابوں کے درس کا شغل رہا۔

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں [۴]

(شاہ صاحبؒ) "پورے بارہ[۱۲] سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔"

مولوی سید احمد لکھتے ہیں [۵]

"بعدہٗ آپ اپنے والدِ بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبانِ ہدایت کو سیدھے رستے لگانا شروع کیا، کتبِ دینیہ وعقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جوق در جوق لوگ آنے شروع ہوئے، سینکڑوں طالبِ علم مستفیض ہونے لگے۔"

---

[۱] حیاتِ ولی (طبع اول) ص۲۶۵ [۲] ایضاً ص۲۲۹ ۔ ؏ بہت سے لوگ کوئی وجہ اور سبیل نہ ہونے کی بنا پر تذکروں میں نہیں آیا کرتے، مدرسہ کے بھی جانے کتنے طلبہ کے نام ایسے ہی ضبط ہونے سے رہ گئے مثلاً خود شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ انھوں نے بخاری بقراۃ بعض اصحاب ؏ پڑھی تھی (انفاس ص۱۹۵) [۳] اجزاء اللطیف (مع انفاس العارفین) ص۱۹۵ طبع احمدی دہلی [۴] حیاتِ ولی ص۲۳۰ [۵] خاتمہ تاویل الاحادیث ص۸

شاہ ولی اللہؒ نے مسندِ درس پر متمکن ہونے کے بعد نصابِ تعلیم میں بھی ترمیم کی اور درسِ قرآن کریم کو جزوِ نصاب قرار دیا اور شاہ محمد عاشق کو ترجمۂ قرآن پڑھانا شروع کیا۔ بعد میں اس ترجمۂ قرآن کو قلم بند کرنے کا خیال ہوا اور ایک حصّہ سفرِ حج سے پہلے اور باقی حصّہ سفرِ حج کے بعد ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوا، اور ۱۱۵۶ھ میں خواجہ محمد امین نے اس ترجمہ کو رواج دیا[1] رواج سے مراد ہمارے خیال میں نصابِ تعلیم کا لازمی جزو بنا لینا ہے۔

اس دَور کے کسی دوسرے معلّمِ مدرسہ کا نام ہمارے علم میں نہیں ہے۔ لیکن مورّخین نے طلبہ کی جس کثرت کا ذکر کیا ہے اس کے پیشِ نظر ہمارے خیال میں شاہ صاحب کے دو ایک معاون ضرور ہوں گے۔

اس دَور کے تلامذہ میں شاہ محمد عاشق، شاہ نوراللہ بُڈھانوی، شاہ اہل اللہ، خواجہ محمد امین کشمیری کے نام محفوظ ہیں۔

۱۲ رسال تک اس طرح دادِ تدریس دینے کے بعد شاہ صاحبؒ ۱۱۴۳ھ/۳۱-۱۷۳۰ء میں حج کو تشریف لے گئے اور دو سال تین ماہ بعد واپس تشریف لائے اور مہندیوں کے مدرسہ میں قال اللہ وقال الرّسول کی محفل پھر گرم ہو گئی، اس سفر میں حج و زیارت کے ساتھ آپ نے محدّثین عہد سے بھرپور استفادہ کیا، فکر و نظر کی نئی راہیں وا ہوئیں اور کتب و مصنّفین کے ایک نئے حلقے سے تعارف ہوا، آپ کے چند منتہی تلامذہ، شاہ محمد عاشق، اخون محمد سعید وغیرہ بھی آپ کے نہ صرف شریکِ سفرِ حج تھے بلکہ شیوخِ حجاز سے استفادہ و تلمذ میں بھی رفیق تھے، اس "سروساماں" کے ساتھ مراجعتِ وطن کے بعد آپ نے مدرسہ کے جس نئے دَور کا آغاز کیا اس کا تذکرہ مولوی سید احمد کی زبانی[2] سنیے:۔

(آپ) دلّی میں واپس تشریف لائے اور اپنے قدیمی مکان میں اقامت کی، مدرسہ رحیمیہ کو جس کی بنیاد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب ڈال گئے تھے رونق دی، حدیث و تفسیر کا درس دینا شروع کیا تو گویا شیخ عبدالحق محدث

---

[1] مقدمہ فتح الرحمٰن۔ [2] خاتمہ تاویل الاحادیث۔

دھلوی علیہ الرحمۃ کے بعد اس زمانے میں آپ نے حدیث شریف کو فروغ بخشا، اطراف ہند میں آپ کی حدیث دانی کی شہرت ہوئی طالب علموں کے پرے کے پرے آنے شروع ہوئے پرانی دلی دار الحدیث بن گئی، حقیقت میں جناب حضرت شاہ ولی اللہؒ کا درس گاہ اس وقت علوم حدیث و تفسیر کا مخزن اور حنفی فقہ کا سرچشمہ تھا۔"

والد کی وفات سے سفر حج تک بارہ سال جم کر پڑھانے کے نتیجے میں آپ کو اپنے فارغ التحصیل تلامذہ کی ایک ایسی جماعت بھی مل گئی تھی جو تدریس میں ان کی رفیق و معاون ہوئی، ان معاونین میں سے شاہ محمد عاشق اور اخون محمد سعید کے نام ہم پہلے لے چکے ہیں، تیسرے خواجہ محمد امین ولی اللہی تھے جو شاہ عبد العزیزؒ کے بھی استاد تھے، چوتھا نام ہمارے خیال میں شاہ اہل اللہ کا ہے، جو شاہ ولی اللہؒ سے ۴ سال چھوٹے تھے اور جنھیں سفر حج پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحبؒ اعطاء خرقہ اجازت بیعت و ارشاد اور دستار فضیلت سے سرفراز فرماتے گئے تھے۔ عـہ

شاہ صاحب نے سفر حرمین سے مراجعت کے بعد تجدید و احیاء اور ملت کی جامع وہشت بہلو اصلاح کا جو منصوبہ بنایا تھا، اس کا تقاضا تھا اپنی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کا صرف بڑی احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ فرمائیں اور کسی ایسے مشغلے میں آپ صرفِ اوقات و استعداد نہ فرماویں جس کی افادیت کا دائرہ محدود ہو، چنانچہ تدریس اور تحریر میں سے آپ نے تحریر کو اس کی زمانی و امکانی افادیت کے پیش نظر ترجیح دی اور اپنے بیشتر اوقات غور و فکر اور نتایج غور و فکر کو قلم بند کرنے کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ فرمایا، مگر اس سے پہلے تدریس کا فرض ادا کرنے کے لیے ایک جماعتِ معلّمین ترتیب دینے کا عزم کیا، اپنے ۱۲/۱۵ سالہ عہد تدریس میں انھوں نے متعدد علما پیدا کر دیے تھے، ان کی تدریس کی تربیت بھی ہو گئی تھی، ان کے فنون کا تخصص بھی نکھر چکا تھا۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ شاہ صاحبؒ نگرانی و سرپرستی تک خود کو محدود کر لیں اور تدریس سے بست

عـہ خاتمہ تکملۂ ہندی از مولوی سید احمد، مطبع احمدی دہلوی۔

46900

کش ہو کر خود کو فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے شاہ صاحبؒ کی اس منصوبہ بندی اور تقسیم کار کا ذکر اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرمایا ہے، [1]

حضرت والد ماجد از ہر فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن بادے می سپردند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند مریض ہم کم می شدیدند۔

حضرت والد ماجد نے ہر فن کے لیے ایک شاگرد کو تیار کیا تھا (متخصص بنایا تھا) اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے متخصص کے سپرد فرماتے تھے اور خود فکر و نظر اور تحریر میں مشغول رہتے تھے فکر و نظر کے جو نتائج ہوتے تھے ان کو قلم بند فرمالیتے تھے، مریض بھی کم ہی ہوتے تھے،

غالباً اسی تقسیم کار اور ترک مشغلہ تدریس کا ہی نتیجہ[2] ہے کہ ہم شاہ صاحبؒ کے تلامذہ کی تعداد حیرت انگیز طور پر کم پاتے ہیں اور مختلف و متعدد مآخذ سے تلاش بسیار کے بعد ہم ۳۵ تلامذہ کا شمار کر سکتے ہیں (جن کی فہرست مع حوالہ مآخذ ایک مستقل مضمون میں درج کی جا رہی ہے)

ان ہی تلامذہ میں سے شاہ صاحبؒ نے کچھ حضرات کو معلّم بنایا۔

شاہ عبدالرحیم کے زمانے سے یہ مدرسہ مہندیوں میں قائم تھا، شاہ ولی اللہؒ کے سفر حج سے آنے کے بعد بھی وہیں رہا اور پھر شاہ جہاں آباد[3] منتقل ہو گیا، مولوی سیّد احمد لکھتے ہیں، [4]

---

[1] ملفوظات ص۸۲ [2] شاہ صاحبؒ کے تلامذہ کی قلّتِ تعداد کا صرف یہ ایک سبب ہی نہیں ہے اور بھی اسباب ہیں۔ اولاً تو شاہ صاحب دہلی میں کم ہی رہے مؤلّف الروضۃ القیومیہ (ان کے عہد شباب میں) لکھا ہے کہ آج کل پھلت میں رہتے ہیں" وفات سے قبل بھی پھلت ہی میں جا رہے تھے۔

[3] گزشتہ صدی تک مہندیوں کو پرانی دلّی اور شاہ جہاں آباد یعنی آج کی پرانی دلّی کو نئی دلی کہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں جب انگریزوں کی نئی دلّی آباد ہوئی شاہ جہاں کی نئی دلی پرانی ہو گئی [4] خاتمہ تاویل الاحادیث ص۹۹

"روشن اختر محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ تھا، اس نے چاہا کہ شاہ صاحبؒ کے دم سے شاہ جہاں آباد کو عزت ہوئی تو کیا کہنا ہے۔ لہٰذا مولانا کو شاہ جہاں آباد میں بلایا اور ایک عالی شان مکان رہنے کے لیے دیا جس کا تفصیلی حال ہم اپنی کتاب یادگار دہلی میں لکھ چکے ہیں، شاہ صاحبؒ شاہ جہاں آباد تشریف لائے اور مع قبائل رہنے لگے۔"

یہ مکان اس محلّے میں تھا جس کو آج کل "کلاں محل" کہا جاتا ہے، اس مکان کا وہ حصّہ جو شاہ صاحب کے خاندان کی سکونت کے لیے مخصوص تھا "زنانہ" کہلاتا تھا اور وہ بیرونی حصّہ جس میں درس گاہ تھی "مدرسہ" کہلاتا تھا، یہ عمارت جو بقول بشیر الدین "نہایت عالی شان اور خوبصورت" تھی غدر تک صحیح حالت میں تھی۔

"غدر میں مکانات لوٹ لیے گئے، گرا دیے گئے، کڑی تختہ تک لوگ اٹھا لے گئے خانۂ خالی را دیو می گیرد - ایک شریف گردی تھی کہ الٰہی توبہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، جس کا قابو چلا وہ قابض ہو گیا اب متفرّق مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلہّ شاہ عبدالعزیزؒ "مدرسہ" کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔" عله

مولوی سیّد احمد نے مزید تفصیل سے بتایا ہے کہ "مدرسہ[ع۲] ..... تخمیناً چالیس سال سے غیر آباد ہے، اگرچہ اولاد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب ممدوح سے چند اشخاص .... اسی مدرسۂ موصوفہ میں برابر سکونت پذیر رہے ..... اسی اثنا میں مکان مدرسہ بھی ایامِ غدر میں منہدم ہو گیا۔"

مدرسہ کا دوسرا دَور اس وقت شروع ہوا جب مدرسہ کا اہتمام و صدارت کا بار شاہ عبدالعزیزؒ جیسے جوان پختہ کار نے اٹھایا۔

شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت (۱۷۶۲ء) شاہ عبدالعزیزؒ صرف ایک سولہ سالہ محنتی طالب علم تھے، ان کے باقی تین حقیقی بھائی بترتیب ۱۲ - ۸ - ۴ سال کے تھے شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے والدِ ماجد کے تلامذہ و خلفہ سے تعلّم کے

عله واقعات دارالحکومت دہلی حصّہ دوم صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳ عٹ خاتمہ فیوض الحرمین صفحہ ۱۱

آخری مراحل طے کیے اور طریقۂ ولی اللہی کے سجادہ خلافت و مدرسہ ولی اللہی کی مسندِ صدارت پر متمکن ہوگئے۔ اس وقت ان کے معاونین شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ تھے، ۴ سال بعد ہی ۱۱۷۹ھ میں ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین تعلم سے فارغ ہوتے ہی تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے اور یوں طریقہ اور مدرسہ کو ایک اور جواں سال وجواں ہمت رکن حاصل ہوگیا پھر چند سال بعد شاہ عبدالقادر نے مدرسین کی فہرست میں ایک اہم اضافہ کیا، کچھ عرصہ کے بعد ان چاروں بھائیوں کے اخلاف شاہ اسحاق، شاہ یعقوب، شاہ اسماعیل، شاہ مخصوص اللہ شاہ محمد موسیٰ اور شاہ عزیز کے بعض تلامذہ مثلاً مولوی رشید الدین نے مدرسہ کے ایک ایک گوشے کو آباد کرکے تدریس کے جوہر دکھائے اور طالبانِ علوم دین کی تشنگی کو رفع کیا۔

مدرسہ کا یہ دور اپنے ماقبل و مابعد کے ادوار سے ہر اعتبار اور ہر پہلو سے ایک تابناک و روشن دور تھا، شاہ ولی اللہؒ نے درسِ قرآن کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کے قبولِ عام کا کوئی تاریخی ثبوت ہماری نظر سے نہیں گزرا مگر شاہ عبدالعزیزؒ نے درسِ قرآن کا سلسلہ کچھ ایسے دل نشین و موثر اور سادہ و قابلِ فہم انداز سے چھیڑا کہ وہ طلبہ سے زیادہ عوام کی دلچسپی کی چیز بن گیا اور مدرسہ کے ایک سبق کے بجائے مجلس کا موضوع ہوگیا، شاہ ولی اللہؒ کے دور میں مدرسہ سے فتاویٰ کے اجراء کی مثالیں بہت کم ہیں مگر شاہ عبدالعزیزؒ کے دور میں دہلی و بیرون دہلی کے زبانی و تحریری سوالات کا ایک تسلسل نظر آتا ہے اور فتاویٰ شاہ عبدالعزیزؒ کے ضخیم مجلدات شاہ صاحب کی طرف ملک کے مسلمانوں کے رجوع کا پتا دیتے ہیں۔ مدرسین کی تعداد بھی اس دور میں زیادہ رہی، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ، شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، مولوی عبدالحیٔ بڈھانوی، شاہ محمد اسحاق شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد اسماعیل، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین خاں وغیرہ وہ فخرِ روزگار مدرسین ہیں، جو مدرسہ کے اس ۶۰ سالہ (۱۱۷۶ء/۱۲۳۶ھ/۱۸۲۳ء) دورِ زریں میں مختلف اوقات میں سرگرمِ افادۂ درس رہے۔

اس دور کے مستفیدین و تلامذۂ درس کی تعداد، ناقابل شمار ہے جو ہزاروں طلبہ

اوراقِ تاریخ میں جگہ پانے سے محروم رہ گئے، ان کو چھوڑ کر اگر صرف انھی حضرات کو شمار کیا جائے جن کے نام اور کام کو تاریخ کے حافظے نے محفوظ رکھا ہے تو بھی یہ تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔

شاہ عزیزؒ جب ریح البواسیر کے عوارض کا شکار اور بصیر ہو گئے تو مدرسہ کی صدارت سے شاہ رفیع الدین عہدہ برآ ہوئے اور جب ۱۸۱۸ء میں وہ رحلت فرما گئے تو شاہ اسحاق کی نوجوانی نے حوادث کی دعوت مبارزت کو لبیک کہا اور شاہ عزیز کی نگرانی کے سائے میں مدرسہ کی خدمتِ اہتمام انجام دی اور ۱۸۲۳ء کے بعد تو وہی تمام شعبوں میں نانا کے جانشین ثابت ہوئے۔

مدرسہ اس دور میں بھی، اسی جگہ (کلاں محل) رہا، البتہ ایک مدرس (شاہ عبدالقادرؒ) نے اکبرآبادی مسجد کے حجرہ میں اقامت اختیار کر لی تھی، اس لیے طلبہ ان سے متعلق اسباق کے لیے اکبرآبادی مسجد میں حاضری دیا کرتے تھے۔

مدرسہ کا تیسرا دور، متاخرین خاندان کا دور ہے، اس دور میں مدرسہ کی صدارت شاہ محمد اسحاق سے متعلق رہی، اس لیے کہ وہی شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسہ ہونے کے علاوہ مُسلّم جانشین اور خلیفہ بھی تھے، اس دور کے مدرّسین، شاہ محمد یعقوب، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین خاں وغیرہ تھے، ولی اللّٰہیوں کی یہ نژادِ نو ہر نوع کے دینی و عقلی علوم کے متخصصین کی ایک باوقار جماعت تھی، اطراف واکناف علم کے طلبہ کا ہجوم اور پڑھانے والوں میں شفقت و رافت، محنت و جفاکشی کی فراوانی، مدرسہ آباد و پُر رونق، دُور دور مشہور و نیک نام نہ ہوتا تو کیوں نہ ہوتا؟ صدر المدرّسین شاہ محمد اسحاق کا جو نظام الاوقات مورّخین نے بیان کیا ہے اس سے مدرسے کے رنگ کا اندازہ کر سکتے ہیں، لکھا ہے کہ شاہ اسحاق نماز صبح کے فوراً بعد گھر میں لڑکیوں کو پڑھاتے پھر مدرسہ میں آجاتے اور دوپہر تک مصروفِ درس رہتے، دوپہر کے کھانے اور قیلولے کے بعد نمازِ ظہر ادا کرتے اور پھر درس کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو نمازِ عصر کے علاوہ نماز مغرب تک جاری رہتا نمازِ مغرب کے بعد اندرونِ خانہ تشریف لے جاتے مگر جلد واپس آجاتے اور نمازِ عشا تک درس دیتے رہتے۔

شاہ ولی اللہؒ کے دور سے درسِ قرآن (وعظ) کا سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ اس دور میں بھی اس شان سے جاری رہا، سرسیّد کا بیان ہے کہ علہ

میں شاہ اسحاق کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا، باہر مردوں کا ہجوم ہے زنانے میں عورتیں جمع ہیں نہ ڈولیوں کا شمار ہوتا نہ پالکیوں کا، شاہی محلات کی بیگمات تک آتی تھیں امرا کے ہاں سے کھانے کی دیگیں پک کر آتیں جو طلبہ اور عوام میں تقسیم ہوجاتیں، خود شاہ صاحبؒ معمولی چپاتی اور شوربہ گاڑھے کے دستر خوان پر رکھ کر کھاتے۔

مدرسہ کے نصاب تعلیم میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں، یہاں ہم طوالت کے خوف سے ان سے صَرف نظر کرتے ہیں، یوں بھی "حیاتِ شاہ اسحاق" میں اس موضوع پر بتفصیل لکھ چکے ہیں۔

اس دَور میں ایک اہم تغیّر یہ ہوا کہ مقاماتِ درس تقسیم ہو گئے، اصل اور قدیم مدرسہ واقع کلاں محل جو اُس زمانے میں جیسا کہ مولوی بشیرالدین وغیرہ نے لکھا ہے "مدرسہ شاہ عبدالعزیز" کہلاتا تھا، ایک بڑی حویلی کا ایک حصّہ تھا اور دوسرا حصّہ زنانہ کہلاتا تھا اور ورثہ شاہ عبدالرحیم و شاہ ولی اللہؒ کی سکونت گاہ تھا شاہ عزیزؒ کے نواسے شاہ اسحاق و شاہ یعقوب بھی اپنی والدہ کی حیات میں یہیں سکونت پذیر تھے، شاہ اسحاق کی والدہ کا وصال چوں کہ اپنے والد (شاہ عزیز) کی حیات ہی میں ہوگیا تھا، اس لیے شاہ عزیز نے اپنے ان دونوں نواسوں کی سکونت کے لیے ایک قطعۂ زمین الگ خرید کر اس پر وسیع عمارت تعمیر کرادی، یہ دونوں بھائی اسی میں رہتے اور اسی میں درس دیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ عمارت "مدرسہ شاہ اسحاق" کہلانے لگی۔ اور شاہ اسحاق ہی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے صدر مدرّس اور نگراں تھے، اس لیے اس واقعہ کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ مدرسۂ قدیم کا مقام تبدیل ہوگیا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں مقاماتِ درس تقسیم ہو گئے کیوں کہ باقی اساتذہ (شاہ مخصوص اللہ اور شاہ موسیٰ وغیرہ) قدیم مدرسہ ہی میں پڑھاتے

علہ تراجم علماء حدیث ص۱۱۱

رہے تھے، جسے مدرسۂ اسحاق کی تعمیر کے بعد "مدرسۂ کہنا" بھی کہنے لگے تھے۔

مولوی بشیرالدین واقعات دارالحکومت دہلی میں "مدرسہ شاہ عبدالعزیزؒ" کے عنوان سے، مدرسۂ رحیمیہ یا مدرسۂ کہنا کا حال جُدا تحریر کرنے کے بعد "مدرسہ مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب" کا عنوان قائم کر کے اس مدرسۂ جدید کے متعلق لکھتے ہیں۔

> جس وقت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی دُختر نیک اختر یعنی شاہ محمد اسحاق کی والدہ کا انتقال ہوا، حضرت کو خیال ہوا بھتیجوں کے سامنے نواسے وارث نہ ہوں گے، اس لیے مولانا شاہ اسحٰق اور مولانا یعقوب دونوں بھائیوں کے لیے قطعۂ زمین علاحدہ خرید کر اس میں عمدہ پختہ مکانات بنا دیے اور انھی کے نام کر دیے۔ چنانچہ مولانا صاحب چند سال ان مکانوں میں رہے اس کے بعد یک بیک خانۂ کعبہ کا شوق پیدا ہوا حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور تمام مکان اور اثاثہ بیچ کر ۱۲۵۶ھ میں مع اہل و عیال کے ہجرت فرما گئے، اب مدرسہ میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں، چوہان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں، ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے، اب چوں کہ یہ کل جائداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے اس لیے اس گلی پر "مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس" کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔"

واقعات دارالحکومت دھلی ص۱۶۷ حصہ دوم

شاہ محمد اسحاق کی ہجرت حرم (ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ) پر اس مدرسہ کی ۱۰۰ سالہ تاریخ کا اختتام ہوگیا، کیوں کہ شاہ مخصوص اللہ[1] تو پہلے ہی تدریس سے دست کش اور

---

[1] سر سید احمد خاں نے اپنی کتاب آثار الصنادید (تالیف ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ ہوا سر رشتۂ تدریس ہاتھ سے دیکر گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ ایک عرصہ کا مطلب صرف ۵ سال بھی لیں تب بھی ۱۲۵۸ھ میں وہ گوشہ نشین ہو گئے ہوں گے

گوشہ نشین ہو گئے تھے ۔ اور شاہ محمد موسیٰ نے شاہ محمد اسحاق کی ہجرت کے صرف ۹ ماہ بعد رجب ۱۲۵۹ھ میں وصال فرمایا ۔

مدرسہ کا چوتھا دَور ۱۳۰۸ھ میں شروع ہوا اور بہت جلد ختم بھی ہو گیا۔ یہ دَور تجدید و احیا، مدرسہ کی ایک نیک دلانہ خواہش کا سرجوش تھا، اور صرف برائے نام کامیابی پر منتج ہو کر بہت جلد ختم ہو گیا ۔

تھی اک درماندہ رہ رو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سیّد ناصر الدین کے پوتے مولوی سید احمد نے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں صرف ولولوں اور حوصلوں کے سہارے پرانے آبائی مدرسہ کی تجدید کا عزم کیا تھا اور سروسامان سے محرومی ، ذاتی اثرات کے فقدان ابنائے زمانہ کے عدم تعاون اور حالات کی ناسازگاری کے ہاتھوں شاید مدرسہ کی تجدید کے اعلانات سے بات آگے نہیں بڑھ سکی ۔ مولوی سیدّ احمد نے اپنے اسلاف کے رسائل وکتب کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور مطبع (دوکان اسلامیہ اور مطبع احمدی) جاری کیا ، اسی مطبع سے شائع شدہ ایک کتاب (فیوض الحرمین) کے خاتمہ (۱۰۷-۱۰۸) میں پہلی بار اس مدرسہ کی تعمیرِ نو اور تجدید کا اعلان کیا ، اس اعلان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسہ کی عمارت کے کچھ حصّے کی تعمیر کرالی تھی مگر اصل کام سلسلۂ درس کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا ، یہ اعلان محرّم ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) میں کیا تھا ، اس کے بعد کی مطبوعہ کتابوں کے خاتمے میں وہ مدرسہ کے آغاز کا اعلان اور اعانت کے لیے دعوت دی جاتی رہی مگر کوئی تفصیل کبھی نہیں آئی ، یہاں تک کہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں جب مولوی سیّد عبد الحئی ان سے ملے ہیں تو مدرسہ باقی نہیں رہا تھا لکھتے ہیں ۔ ؎[1]

انھوں (سیدّ احمد) نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان حضرات کی کتابیں شائع کی جائیں چنانچہ اکثر رسائل چھپوالئے ہیں اور باقی چھپ رہے ہیں ایک پریس بھی قائم کیا ہے ابتدا میں خاص حضرت مولانا کے مدرسہ میں

؎[1] دہلی اور اس کے اطراف صہ ۶۶

ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، مگر ابنا، زمانہ کی بے التفاتی سے وہ ٹوٹ گیا۔!

مولوی سید احمد نے مدرسہ کا نام مدرسۂ عزیزی تجویز کیا تھا، مطبع کے نام کے ساتھ بالالتزام "متعلق مدرسہ عزیزی لکھا کرتے تھے، کہیں کہیں" مدرسہ کہنہ شاہ عبدالعزیز صاحب" بھی لکھتے ہیں "کہنہ" کی قید" مدرسہ شاہ اسحاق "سے امتیاز کے لیے تھی۔!

شاہ ولی کے بھائی
شاہ اہل اللہ پھلتی

شاہ عبدالرحیم کی دو شادیاں ہوئی تھیں، پہلی سونی پت (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ ان سے ایک صاحب زادے صلاح الدین ہوئے، دوسری ساٹھ سال کی عمر میں ایک شاگرد و مرید شیخ محمد صدیقی پھلتی (ف ۱۱۲۵ھ) کی صاحب زادی فخر النساء بیگم[1] سے ہوئی، ان سے دو صاحب زادے ہوئے (۱) شاہ ولی اللہ (۲) اور شاہ اہل اللہ۔ شاہ ولی اللہ کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ بجا طور پر اس کے مستحق تھے مگر شاہ اہل اللہ کو متعدد وجوہ سے وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ مستحق تھے۔

شاہ اہل اللہ ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۸ء میں پھلت میں پیدا ہوئے[2]۔ تحصیل علوم اپنے والدِ ماجد، بڑے بھائی اور دوسرے اساتذہ سے کی اور دینیات، عقلیات اور طب میں ملکہ حاصل کیا۔ ۲۲ سال کی عمر میں والدِ ماجد سے بیعت کی اور اشغال طریقہ اخذ کیے، اسی عمر میں آپنے والد کے مکاتیب کا ایک مجموعہ مرتب کیا ۱۱۳۱ھ میں والد کے سایے سے محروم ہو گئے تو اپنی علمی تشنگی اور تربیت کی کمی کو اپنے بڑے بھائی سے رفع کیا اور درس و مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔

عـلہ القول الجلی از شاہ محمد عاشق بحوالۂ شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات ص ۲۱۳ از خلیق احمد نظامی ۱۹۶۹ء عـکہ تکملۂ بنڈی مطبع احمدی دہلی ص ۹۶

"۱۱۴۳ھ میں جب ان کی عمر ۲۳، ۲۴ برس کی تھی، شاہ ولی اللہ نے حج و زیارت اور طلب حدیث کے لیے حرمین شریفین کا عزم کیا تو خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی اور اجازت بیعت وارشاد ان کو دی اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم قدس سرہٗ کا جانشین ان کو بنایا اور فرمایا جیسا خرقہ ہم کو حضرت والا قدس سرہٗ سے پہنا تھا، ایسا ہی ہم نے ان کو دے دیا، متعلقین کو چاہیے کہ ان کو بجائے پدر بزرگوار مجھیں[1]"

مطب تحصیل علوم سے فراغت کے بعد شاہ اہل اللہ نے باقاعدہ مطب کا سلسلہ شروع کیا، شاہ عبدالرحیم خود بھی طبیب تھے، شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں[2]

از ہر علم بہرہ معتد بہ داشتند و ترک مناسبت بفنے از فنون طبع ایشاں رضا نمی داد و در طب حدس ایشاں بغایت سلیم و رسا بود۔	انھیں (شاہ عبدالرحیم کو) ہر علم میں کافی دخل تھا اور فنون میں سے کسی فن سے بھی تھوڑا بہت بھی تعلق نہ ہونا انھیں گوارا نہیں ہوتا تھا، طب سے تو ان کے مزاج کو خصوصی مناسبت تھی۔

تشخیص مرض میں ان کے ذہن کی دراکی اور ان کے ملکہ کا ایک دلچسپ واقعہ بھی شاہ ولی اللہؒ نے تحریر فرمایا ہے[3] کہ سادات بارہہ کے کسی گاؤں میں آپ تشریف لے گئے تو لوگوں نے ایک بیمار کا قارورہ آپ کو دکھایا، آپ نے صرف قارورہ دیکھ کر بغیر مریض کی نبض دیکھے اور حالات معلوم کیے فوراً نسخہ لکھ دیا۔ ایک ہندو طبیب نے جو وہاں موجود تھا سوال کیا کہ حضرت! تشخیص مرض بھی فرمائی ہے؟ آپ نے مسکرا کر جواب دیا "یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا یہ نام ہے یہ شکل وصورت ہے، یہ اخلاق وعادات ہیں، یہ یہ شکایات ہیں، ان کے علاوہ بھی اور بہت سے کام جو وہ کرتی ہے ہمیں معلوم ہیں ——" ہندو طبیب نے

---

[1] تکملۂ ہندی ص۲۲ [2] بوارق الولایت (انفاس العارفین) ص۸۰ مطبع احمدی دہلی۔

[3] بوارق الولایت (انفاس العارفین) ص۹۵ مطبع احمدی دہلی۔

برمحل سوال کیا کہ حضرت! یہ باتیں کس طبّی کتاب میں لکھی ہیں؟ آپ نے فرمایا جی نہیں یہ طب نہیں ہے، یہ ہم غلامانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی فراست صادقہ ہے۔

شاہ اہل اللہ نے اپنے والد کی مسند مطب کو آباد کیا، شاہ عبدالعزیزؒ کا بیان ہے کہ[1]

حکمت، ہمہ در خاندانِ ما معمول بود چنانچہ جدِّ بزرگ وار وعمّ فقیر می کردند۔	ہمارے خاندان میں طبابت کا سلسلہ بھی تھا اور میرے دادا اور چچا مطب کرتے تھے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:[2]

عمّ من در طب مہارت وکمال داشت	میرے چچا طب میں ماہر و کامل تھے

مولوی سیّد ظہیر الدین عرف سیّد ولی اللّٰہی لکھتے ہیں:[3]

شاہ ولی برادر خورد شاہ اہل اللہ بھی اس خاندان کے ایک ذی علم و باکمال شخص گزرے ہیں جو مختلف علوم وفنون میں تبحّر رکھتے تھے، علاوہ دینی علوم کے آپ علم بیدک کے جو ہندستان کا فنِ طب ہے بڑے عالم و عامل تھے اور اس فن میں گویا اپنے وقت کے دھنتر وید تھے جن کی تشخیص و تجویز نے ہزاروں بیماروں کو جو لبِ گور پہنچ گئے تھے پھر زندگی بخشی۔

معالجہ کا مشغلہ انھوں نے میراث پدر ہونے کے علاوہ ایک اشارۂ غیبی کی بنا پر بھی اختیار کیا تھا، شاہ عبدالعزیزؒ راوی ہیں[4] کہ

روزے در خواب دیدند کہ شخصے می گوید کہ خدا بیمار است دوا کن، حضرتؒ والدِ ماجد فرمودند در حدیث آمدہ کہ	شاہ اہل اللہ نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ "خدا بیمار ہے اس کا علاج کر" میرے والد

---

[1] ملفوظات عزیزی ص۲۳ (مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ) [2] ایضاً ص۲۳

[3] انفاس العارفین، سرورق ص۳ [4] ملفوظات عزیزی۔

روزِ قیامت خدا خواہد گفت کہ من مریض شدم دوا نکردی، وگرسنہ شدم وتشنہ شدم وعریاں شدم، آب و طعام وجامہ ندادی، بندہ گوید خدایا تو منزہؐ، فرمود کہ فلاں بندہ من بیمار بودہ وگرسنہ بود گویا من بودم۔

ماجد نے یہ خواب سن کر فرمایا، حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ فرمائے گا، میں بیمار تھا تو نے دوا نہ دی، میں بھوکا تھا، پیاسا ننگا تھا تو نے کھانا پانی اور کپڑا نہیں دیا، بندہ عرض کرے گا خدایا تو ان احتیاجات سے پاک ہے اللہ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار تھا، فلاں بھوکا تھا تو گویا میں ہی بھوکا اور بیمار تھا۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے بھائی کے خواب کی تاویل یہ کی کہ طب کی تحصیل کے بعد مطب نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے استطاعت کے باوجود بھوکے کو کھانا نہ کھلانا ممکن ہے شاہ اہل اللہ کے مشغلے کا محرک یہی خواب ہو، ورنہ ہو سکتا ہے وہ بھی بڑے بھائی کی طرح درس وتصنیف اور ارشاد وہدایت ہی میں صرف ہمت واوقات کرتے۔

وہ دوسرے اطبّا کی طرح مریضوں کے معائنہ کے لیے گھروں پر بھی بُلائے جاتے تھے، ایک بار ایک مریض کے گھر جاتے وقت وہ اپنے بھتیجے شاہ عبدالعزیزؒ کو بھی جو بچے تھے ساتھ لیتے گئے۔ مریض ایک ذاکر وشاغل بزرگ تھے، مرض الموت سے دوچار تھے، غفلت طاری ہو چکی تھی، مگر ہاتھ کی انگلیاں اس طرح چلا رہے تھے جیسے ہاتھ میں تسبیح ہو اور ایک تسبیح پوری کر کے دوسری تسبیح شروع کرتے وقت جس طرح "امام" کو درست کیا جاتا ہے، شاہ اہل اللہ نے حساب کیا تو ٹھیک سو دانے گننے کے بعد وہ امام کو درست کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ شاہ اہل اللہ فرمانے لگے نیک کام کا محاورہ پڑ جانا بھی بڑے کام آتا ہے کہ بے قصد اور بے ہوشی میں بھی وہ کام انجام پا رہا ہے [1]

---

[1] ملفوظات عزیزی ص ۱۳

اسی طرح ایک اور "وِزِٹ" کا عجیب واقعہ شاہ عبدالعزیزؒ نے بیان فرمایا ہے کہ جس زمانے میں ہم لوگ پرانی دلّی میں رہتے تھے، کوچہ انبیا کے ایک سیّد صاحب کے یہاں ایک پوربن بڑھیا بیمار پڑی تھی۔ یہ بڑھیا سید صاحب کے یہاں ایک لونڈی کی حیثیت سے پلی تھی، اَن پڑھ تھی اور کبھی نماز کی ٹکّر تک نہیں مارتی تھی، آخری وقت آیا تو پوربی لہجے میں کچھ ایسے الفاظ ادا کرنے لگی جو کسی کے سمجھ میں نہیں آتے تھے، کئی اطبا، وصلحا بلوائے گئے، جب کسی کی سمجھ میں بات نہیں آئی تو چچا جان کو تکلیف دی گئی، آپ نے غور کرکے سنا تو پتا چلا کہ لاتخافی ولاتحزنی کہہ رہی ہے، آپ نے گھر والوں سے کہا اس سے یہ پوچھو کہ یہ الفاظ کیوں کہہ رہی ہے، بڑی مشکل سے بولی کہ کچھ لوگ کھڑے مجھ سے یہ الفاظ کہہ رہے ہیں دریافت کیا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ بولی یہ تو نہیں جانتی مگر دل کہتا ہے کہ میری تسلی کے لیے کہہ رہے ہیں۔ کہا گیا ان لوگوں سے یہ پوچھو کہ میرے کس کام کے صلے میں یہ تسلی دے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولی، یہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا، مگر ایک روز سردی کے موسم میں تو بازار سے گھی لے کر اور اسے گرم کرکے چھاننے لگی تو اس میں سے ایک روپیا نکلا تھا، پہلے تیری نیت یہ ہوئی کہ روپیہ ہضم کرلے کیوں کہ کسی کو اس کی خبر نہیں تھی، مگر پھر اللہ کے خوف سے تو نے وہ روپیا دوکان دار کو واپس کردیا۔ بس تیری یہ ادا بھا گئی۔ ؏۱

پھُلت میں والد کے انتقال کے بعد کچھ مدّت ہی شاہ اہل اللہ دہلی میں رہے اور پھر پھُلت منتقل ہوکر وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی، پھُلت دہلی سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ضلع مظفر نگر (یوپی) کا ایک قریہ ہے جو شاہ صاحبؒ کا ننھیال بھی تھا اور مولد بھی، شاہ ولی اللہؒ بھی یہیں پیدا ہوئے تھے ؏۲ اور ابتدائی عمر میں ان کا قیام بھی عموماً پھُلت رہتا تھا۔ ؏۳

؏۱ ملفوظات عزیزی ص۷۳۔ ؏۲ وہ کمرہ جس میں شاہ ولی اللہؒ کی ولادت ہوئی تھی اب تک محفوظ و مقفّل ہے سال میں ایک بار کھولا جاتا ہے، ہم نے ۱۹۳۳ء اور ۱۹۵۱ء میں اس کی زیارت کی ہے۔ ؏۳ روضۃ القیومیہ بحوالہ رود کوثر ص۵۰۵

شاہ اہل اللہ نے دہلی کا مستقل قیام ترک کر کے پھلت میں سکونت کیوں اختیار کی تھی ؛ اس کا سبب معلوم نہیں ہو سکا لیکن اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ علمی دنیا میں اس مقام کو نہ پا سکے جس کے وہ مستحق تھے اور انھیں نہ صرف یہ کہ خاطر خواہ شہرت حاصل نہ ہو سکی ۔ بلکہ ان کے حالات زندگی پر بھی پردا پڑ گیا ۔ اور چند سطروں سے زیادہ ان کے سوانح یک جا نظر نہیں آتے اور یہ حالت آج نہیں ہوئی بلکہ آج سے تقریباً ایک صدی قبل اور شاہ صاحبؒ کے وصال کے ٹھیک سو سال بعد ۱۲۸۱ھ میں اسی خاندان کے ایک متوسل و نیاز مند صاحب الیانع الجنی کو یہ لکھنا پڑا کہ علہ

وکان لولی اللہ اخ یسمی الشیخ اھل اللہ کان اھل اللہ و اھل العلم بلے لم یبلغنی خبرہ فوق ان لہ کتاباً"	شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی بھی تھے جن کا نام شاہ اہل اللہ تھا، جو ایک باخدا اور صاحبِ علم بزرگ تھے ، مجھے ان کے حالات اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ ان کی ایک تصنیف ہے ۔

حالانکہ اس کتاب میں اس خاندان کے دوسرے ارکان کے حالات کسی قدر وضاحت و تفصیل کے ساتھ درج ہیں ۔

مولوی فقیر محمد جہلمی اسی خاندان کے تلامذہ میں سے تھے انھوں نے احناف کے تراجم پر مشتمل حدائق الحنفیہ لکھی مگر شاہ اہل اللہ کے ذکر خیر سے محروم رہ گئے ، حالانکہ شاہ ولی اللہؒ کے برعکس شاہ اہل اللہ کی حنفیت میں مجال کلام نہیں ہے بلکہ وہ مسلک امام اعظم کی حمایت و نصرت میں چاق و چوبند تھے ، اور اسی جرم میں اہل حدیث مورخین نے انھیں نظر انداز کرنے کا اہتمام کیا ہے ۔

خود اسی خاندان کے ایک رکن ، مولوی سید احمد ولی اللہی کو شاہ اہل اللہ کی ایک کتاب شائع کرتے وقت ان کا تعارف یوں کرانا پڑا :

شاہ اہل اللہ بھی اسی خاندان کے ایک ذی علم اور باکمال شخص گزرے ہیں"

علہ الیانع الجنی من اسانید الشیخ عبد الغنی از محسن ترہتی جید برقی پریس دہلی ۱۳۴۹ھ ص۹۴

بہر حال شاہ اہل اللہ مستقلاً اپنے نانہال پھلت میں مقیم ہوگئے تھے، وہاں ان کا ذریعۂ معاش ممکن ہے جاگیر ہو، ان کے نانہال میں سلطان سکندر لودھی (۱۵۱۶ء) کے وقت سے زمین داری چلی آئی تھی جو شاہ اہل اللہ کے نانا شیخ محمد پھلتی کے بزرگوں کو ملی تھی[1] اس کے علاوہ خود ان کے دادھیال کو بھی جاگیر ملی ہوئی تھی، ۱۷۵۰ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے پانچواں حملہ دہلی پر کیا تو ساری جاگیریں ضبط کرلی تھیں۔ شاہ ولی اللہ ایک خط میں لکھتے ہیں۔[2]

آں تمغائے اکثرے ضبط شد الاّ آں تمغائے ایں جانب کہ دستخط کردہ دادہ اند۔

بہت سوں کی جاگیروں کی اسناد ضبط کرلی گئیں مگر میری سند اپنے دستخط کرکے واپس کردی۔

ایک زمانے میں شاہ ابوسعید بریلوی نے یا ان کے توسط سے کسی اور صاحب نے شاہ صاحبؒ کا وظیفہ مقرر کردیا تھا، جس کے شکریہ میں شاہ اہل اللہ نے ان کو لکھا۔[3]

ایں نیازمند را از فکر معاش نجات بخشیدند۔

آپ نے مجھے فکر معاش سے نجات دلائی ہے۔

پھر دعا کے بعد لکھتے ہیں:

حسب الایماں خط شکر گزاری نجان رفعت نشاں مرقوم شدہ۔

آپ کے ارشاد کے مطابق خاں صاحب کو شکریہ کا خط لکھ دیا ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے خط میں پھر شکریہ ادا کرتے ہیں:

احوال یومیہ کہ از توجّہ وجیہہ صورت گرفتہ است بفضل الٰہی تاحال جاری ست ونیازمند با دیگر کس وکو رخود رطب اللّسان شکر گزاری ست۔

شاہ صاحبؒ کا وصال ۱۱۸۶ھ میں پھلت میں ہوا[4] اور وہیں درگاہ[5] کے احاطہ

---

[1] بوارق الولایت (انفاس العارفین) مطبع احمدی دہلی۔ مطبوعہ المعارف لاہور ۳۵۸۔ [2] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات مکتوب دوازدہم ص۱۰۳ طبع ۱۹۶۹ء۔ [3] مکتوبات المعارف مطبع انوار العلوم سہارنپور ۱۳۰۴ھ [4] مکتوبات المعارف [5] درگاہ ایک احاطہ کا نام ہے جس میں چار مزارات ہیں ایک شاہ محمد عاشق کا دوسرا شاہ محمد فائق کا تیسرا شاہ محمد عمر بن شاہ اہل اللہ کا اور چوتھے مزار کے متعلق صحیح اطلاعات حاصل نہ ہو سکیں۔

کے باہر مدفون ہوئے۔

شاہ اہل اللہ کے چند تبرکات اب تک پھلت میں موجود ہیں (۱) موئے مبارک اس کا قصہ شاہ ولی اللہؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ والد نے فرمایا کہ ایک بار بخار کے تسلسل سے میری حالت غیر ہو گئی، ایک دن خواب میں نانا (شیخ عبدالعزیز شکربار) نظر آئے اور انھوں نے فرمایا کہ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں۔ پھر حضورؐ تشریف لے آئے اور فرمایا میرے بیٹے! کیا حال ہے؟ میں (اس شانِ شفقت و زحمت عیادت کو دیکھ کر فرطِ طرب سے اور وجد میں آکر) رونے لگا۔ سرکار نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا، میرا چہرہ آپ کے سینۂ مبارک سے لگا ہوا تھا اور میرے اشکوں سے آپ کا پیراہنِ مبارک تر ہو گیا، جب یہ کیفیت کم ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ کاش سرکار مجھے موئے مبارک عطا فرما دیں۔ اس خیال کی اطلاع پاکر آپ نے ریشِ مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو موئے مبارک مجھے عطا فرمائے میں نے بیدار ہو کر وہ موئے مبارک اپنے تکیہ کے نیچے پائے۔ بخار اتر گیا تھا مگر کمزوری باقی جو چند روز میں دور ہو گئی شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موئے مبارک شاہ ولی اللہ کو عطا فرما دیا تھا۔[۱] اور دوسرا شاہ اہل اللہ کو دہلی میں اس موئے مبارک کی سالانہ زیارت کرائی جاتی تھی۔ مولانا فضلِ رسول بدایونی کا بیان ہے کہ موئے مبارک کا صندوقچہ زیارت کے لیے گھر سے باہر شاہ اسماعیل اپنے سر پر اٹھا کر لائے تھے۔[۲]

شاہ اہل اللہ کے حصے میں جو موئے مبارک آیا تھا وہ اپنے ساتھ پھلت لے گئے تھے اور وہاں محفوظ ہے۔ لکڑی کا ایک صندوق ہے اس میں ایک شیشی ہے جس میں روئی کے اوپر موئے مبارک رکھا ہوا ہے۔ اربابِ پھلت کا بیان ہے کہ یہ روئی شیشی اور صندوق وہی ہے جو شاہ اہل اللہ کے دور میں تھے۔

(۲) مصحفِ مبارک، خطِ طغریٰ میں ایک مصحف کلامِ مجید ہے جس کا عرض تقریباً

---

[۱] انفاس العارفین ص۴۲ و الدر الثمین ص۶۔ [۲] البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ طبع ۱۲۶۵ھ ص۱۰۶

۲-انچ اور طول تقریباً ۱۲ ارۃٌ ۱۵ فٹ ہے، غالباً عہد جہانگیر میں لکھا گیا ہے۔ یہ مصحف شاہ اہل اللہ کو اپنے دادیہال سے ورثہ میں ملا تھا یا ننہال سے یہ معلوم نہ ہو سکا۔ شاہ اہل اللہ نے لکھا ہے کہ اِن کے نانا شیخ محمد پھلتی پر شیخ آدم بنوری کے خلفاء میں سے ایک بزرگ شیخ جلال بہت مہربان تھے انھوں نے وصال کے وقت وصیت کی تھی کہ ان کا مصحف شیخ محمد کو دے دیا جائے ممکن ہے یہی مصحف شیخ محمد سے شاہ اہل اللہ کو ورثے میں ملا ہو، العطیۃ الصمدیہ (انفاس) ص۱۷۱

(۳) نعل مبارک، لکڑی کی ایک طاق کھڑاؤں (جُفت نہیں) غالباً دوسرا طاق شاہ ولی اللہ کو دیا گیا تھا۔ یہ نعل مبارک کس ذات گرامی سے نسبت رکھتا ہے؟ اس کی تحقیقات کا اتفاق نہیں ہوا۔

(۴) قدم شریف، اس کی بھی تفاصیل حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی حضرت شاہ اہل اللہ کا قیام اپنے نانا (شیخ محمد) کے یہاں تھا، اس کی وجہ سے یہ تبرکات شاہ اہل اللہ کے اخلاف کے قبضے میں ہونے کے بجائے شیخ محمد کے اخلاف کے قبضے میں ہیں۔

(۵) ایک مصحف کلام مجید قلمی جس پر حاشیہ میں آیات وسور کی شانِ نزول خاص طور پر تحریر تھی مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے مولانا محمد حسین نبیرہ شاہ رفیع الدین کا نسخہ منشی فرحت اللہ صاحب سے حاصل کر کے شائع کر دیا انھوں نے مقدمے میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(مکتوب مولوی حکیم انیس احمد صدیقی بنام راقم الحروف)

اخلاف

شاہ صاحب کے ایک صاحب زادے شاہ مقرب اللہ تھے۔ افسوس ہے کہ ان کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہے کہ ۱۱۷۶ھ میں جب شاہ ولی اللہ کا دہلی میں وصال ہوا تو وہ دوسرے اعزا پھلت خصوصاً اپنے والد کے ساتھ اس وقت دہلی میں تھے۔ ع۲

ع۱ مولوی حکیم انیس احمد صدیقی کا بیان ہے کہ طول تقریباً، گز (۲۱ فٹ) ہے۔ ع۲ مکتوبات المعارف۔

نیز حیاتِ ولی میں شاہ اہل اللہ کے نام شاہ عبدالعزیزؒ کا عربی میں ایک خط ہے، جس میں ان کے یہاں ایک بچے کی ولادت پر مبارکباد دی ہے، جس میں دعائیہ الفاظ سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ نومولود مقرب اللہ تھے، اطال عمرہ واسعدہ وجعلہ مقرب جناب اللہ درباہ فی ظلل اہل اللہ ص۳۲۵

شاہ مقرب اللہ کے صاحب زادے شاہ معظم اللہ تھے[1] ان کے صاحب زادے شاہ محتشم اللہ تھے جن سے شاہ محمد اسحاق دہلوی کی صاحب زادی منسوب تھیں اور ۱۲۵۸ھ میں جب شاہ اسحاق نے مکّہ معظمہ ہجرت کی تو وہ بھی شاہ صاحب کے ساتھ ہی تھے، حافظ بھی تھے[2] ان کے ایک فرزند مولوی عبدالرحمٰن[3] تھے، مولانا عبیداللہ سندھی نے شاہ ولی اللہؒ کی کتاب المسویٰ شرح الموطا کا مخطوطہ ان ہی مولوی عبدالرحمٰن کے ورثہ سے حاصل کیا تھا، مولانا سندھی نے المسویٰ کے مقدمہ میں شاہ ولی اللہؒ کی ایک سند بھی نقل کی ہے جو شیخ جاراللہ بن عبدالرحیم ساکن پنجاب کو عطا ہوئی تھی، یہ سند بھی مولانا کو ورثہ مولوی عبدالرحمٰن سے حاصل ہوئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد اسحاق اپنے ساتھ اپنے خاندانی نوادر جو انھیں شاہ عبدالعزیزؒ کا نواسہ اور جانشین ہونے کی حیثیت سے ملے ہوں گے، لے گئے تھے، شاہ اسحاق کے وصال کے بعد ظاہر ہے کہ وہ ان کے نواسوں سے ملے ہوں گے۔ پتا نہیں یہ نوادر اور تبرکات اب کس کے قبضے میں ہیں۔

شاہ اہل اللہ کے ایک اور صاحب زادے تھے جن کا نام پھلت کے بزرگوں کی زبانی روایت کی بنا پر محمد عمر تھا ان کا مزار بھی درگاہ میں ہے، اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ان کے دو صاحب زادوں (۱) مولوی محمد یوسف (۲) مولوی محمد عثمان کا ذکر سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے

---

[1] مقالات طریقت میں ان کا نام محمد معظم اور عرف "مولوی محمدی" لکھا ہے ص۲۲۶ [2] مقالات طریقت ص۲۲۶ [3] مکہ معظمہ میں آپ (شاہ یعقوب) کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ خدا تعالیٰ سلامت باکرامت رکھے۔ مقالات ص۲۲۶۔

سلسلے میں آتا ہے۔

سیّد احمد شہید جب ۱۸۱۸ء میں نواب امیر خاں بانی ٹونک سے منقطع ہو کر دہلی آئے تو بیعت کا سلسلہ شروع ہوا، اوّلین بیعت کرنے والوں میں مولوی محمد یوسف پھلتی تھے جو شاہ اہل کے پوتے تھے۔ سیّد صاحب کا شہرہ سُن کر شاہ اسماعیل اور مولوی عبدالحئی بڈھانوی نے مولوی یوسف صاحب سے کہا تھا کہ پہلے تم بیعت کرو اور جو فیوض و برکات حاصل ہوں ان کی تفصیل ہمیں بتاؤ تو پھر ہم بھی بیعت کریں گے، چنانچہ مولوی محمد یوسف سیّد صاحب سے بیعت ہوئے اور زندگی کے آخری سانس تک سیّد صاحب کے رفیق، معتمد، مشیر، خزینہ دار اور داروغہ رہے۔ ہندستان کے دورے اور سفرِ حج میں ساتھ تھے اور پھر ساتھ ہی سرحد کی طرف ہجرت کی اور جہاد میں شریک رہے۔ شوّال ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۷ء میں اوچ (نزد سوات) میں انتقال فرمایا۔ سیّد صاحب نے فرمایا۔ مولوی صاحب (یوسُف جی) لشکرِ اسلام کے قطب تھے"۔ [1]

مولوی محمد یوسُف کے دوسرے بھائی مولوی محمد عثمان تھے، نومبر ۱۸۱۸ء میں سیّد صاحب یوپی کا دورہ کرتے ہوئے پھلت پہنچے تو جن حضرات نے سیّد صاحب کی دعوت کی تھی ان میں مولوی محمد عثمان بھی تھے۔

تالیفات

انفاسِ رحیمیہ شاہ اہل اللہ کی یہ سب سے پہلی تالیف ہے، کیوں کہ یہ ان کے والد (شاہ عبدالرحیم) کے خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے والد کے حیات ہی میں ۱۱۳۱ھ سے پہلے جمع کر لیے تھے، اور والد کی نظر سے

---

[1] منظورہ السعدا فی احوال الغزاۃ والشہدا از جعفر علی نقوی (مخطوط کتب خانہ سعیدیہ ٹونک) و مخزنِ احمدی از مولوی محمد علی رائے بریلوی ص ۳۷ و جماعت مجاہدین از غلام رسول مہر۔

بھی یہ مجموعہ گزر چکا تھا اور انھوں نے اس کی ترتیب کی تائید کی تھی۔

یہ مجموعہ مطبع احمدی دہلی اور مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہو چکا ہے۔

تخریج احادیث ہدایہ

شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد مولوی محمد محسن ترہتی الیانع الجنی (تالیف، ۱۲۸۰ھ) میں لکھتے ہیں[۱]

"وکان لولی اللہ اخ سمیٰ الشیخ اہل اللہ کان من اللہ و اہل العلم بہ لم یبلغنی من خبرہ فوق ان لہ کتاباً لطیفاً فی تخریج احادیث الھدایہ ما ائیت لہ الا الابواب الاربعہ مختصر فیہ کلمات جامعة یکثر نفعھا"

شاہ ولی اللہؒ کے ایک بھائی بھی تھے، جن کا نام شیخ اہل اللہ تھا اور جو اہل اللہ اور صاحب علم تھے، مجھے ان کے حالات کا اس سے زیادہ پتا نہیں ہے کہ انھوں نے ایک بڑی نفیس کتاب لکھی ہے جس میں ہدایہ کی حدیثوں کی تخریج کی ہے، میں نے اس کتاب کے چار باب دیکھے ہیں یہ ایک مختصر کتاب ہے جس میں الفاظ کم اور منافع زیادہ ہیں۔

---

[۱] الیانع الجنی ص۹۴۔ اسی بنیاد پر ہم نے شروع میں یہ عرض کیا تھا کہ بعض مورخین کا یہ خیال غلط ہے کہ انھوں نے اپنے بڑے بھائی شاہ ولی اللہؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ شاہ ولی اللہ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے تھے اور شاہ عبدالرحیم کی وفات ۱۱۳۱ھ میں ہوئی تھی۔ شاہ اہل اللہ اگر بڑے بھائی کی ولادت کے تقریباً دو سال بعد ۱۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے تو ۱۱۳۱ھ میں تقریباً ۱۵/۱۴ سال کے ہوں گے۔ اور اس قابل ہوں گے کہ والد کے خطوط کی اہمیت کو سمجھ سکیں، ان کی جمع و تدوین کی فکر کریں اور والد بھی انھیں اس لائق سمجھیں ۱۴/۱۵ سال سے کم عمر میں عام حالات میں آدمی اس قسم کے کاموں کا اہل ہوتا ہے نہ اس کی اہمیت کو سمجھتا ہے، اگر ہمارا یہ قیاس صحیح ہے۔ یعنی وہ اپنے بڑے بھائی سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے تو مورخین کا یہ قول بھی غلط ہے کہ انھوں نے دو سال بڑے بھائی سے تحصیل علوم کی تھی اور وہ بھی والد کی حیات میں، پھر نہ تو اس قول کا کوئی ماخذ بیان کیا گیا ہے، نہ شاہ ولی اللہؒ نے اس کا ذکر کیا ہے، یہ ضرور لکھا ہے کہ سترہ سال کی عمر میں والد کی وفات کے بعد وہ مسند درس پر بیٹھے۔

الیانع الجنی کے علاوہ اس کتاب کا کہیں تذکرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ بہرحال ترہتی نے خود دیکھی تھی اس لیے کتاب کے وجود میں شک ہی نہیں ہے۔

تلخیص ہدایہ | یہ مشہور کتاب ہدایہ کا خلاصہ ہے، خلاصہ اس طرح کیا ہے کہ فقہاء کے مناقشات حتیٰ کہ صاحبینِ امام اعظم کے اختلافات تک کا ذکر نہیں کیا صرف امام اعظم کے مسلک فقہی کو پیش کیا ہے اور اس کی تائید میں صحاح ستہ اور مستدرک حاکم کی احادیث نقل کی ہیں۔ اس کتاب کا ایک مخطوطہ عبدالرشید مرحوم (فرزند مولوی لیٰسین) کے پاس تھا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ مولوی عبدالقیوم محدّث بڈھانوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ مولوی عبدالرشید کا بیان ہے کہ اس کتاب کے دوسرے مخطوطات کتب خانہ نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی، کتب خانہ آصفیہ میں اور مولانا عبدالعزیز میمنی کے پاس ہیں۔

اصولِ فقہ | مختصر و مفید رسالہ بھی مولوی عبدالرشید کے پاس تھا جو ان کے والد مولوی محمد لیٰسین مرحوم بریلوی بنگلور میں ایک قلمی نسخے سے نقل کیا تھا۔

تفسیر قرآن | عربی زبان میں شاہ صاحبؒ نے قرآن کی یہ تفسیر قدیم مفسّرین کے انداز پر اور ارباب تصوّف کے مذاق کو ملحوظ رکھ کر کی ہے، اس کا ایک مخطوطہ ریاست ٹونک کے کتب خانہ سعیدیہ میں محفوظ ہے [1]

چہار باب | یہ فارسی زبان میں ۵۰ صفحات کا ایک رسالہ ہے جو چار ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اوّل در بیان عقائدے کہ دانستن آں بہ ہر مسلمان لازم است۔

باب دوم در بیان آنچہ عمل آں فرض یا واجب یا سنّت یا مستحب است۔

باب سوم در فضائل اعمال

باب چہارم بعضے از نصائح

یہ رسالہ پہلی بار ۱۲۵۸ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔

کنز الدقائق کا ترجمہ فارسی | شاہ صاحبؒ نے فقہ کی مشہور کتاب کنز الدقائق کا بھی فارسی ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ تو اب تک طبع نہیں

---

[1] معارف جلد ۶۱ شمارہ ۲، مولوی عبدالرشید بریلوی کتب خانہ سعیدیہ ٹونک

ہوا، مگر مولوی محمد احسن نانوتوی نے اس فارسی ترجمہ کا جو اردو ترجمہ کیا تھا وہ مطبع صدیق بریلی سے ۱۸۴۸ میں چھپا تھا۔ اس ترجمہ کی دوسری اشاعت ترجمہ کی نظر ثانی کے بعد مطبع مجتبائی دہلی سے اور تیسری اشاعت مطبع قیومی کانپور سے ۱۹۱۹ء میں ہوئی تھی۔ ؎۱

ترجمۂ موجز القانون فارسی تکملۂ یونانی، تکملۂ ہندی

شاہ صاحبؒ نے شیخ الرئیس کے "قانون" کی مشہور تلخیص موجز القانون (از علاؤ الدین علی بن حزم القرشی) کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا، مگر اس کتاب کے کسی مخطوطے کا ذکر دیکھنے میں نہیں آیا اس کے وجود کا علم بھی اس کے دو تکملوں سے ہوا ہے، جو تکملۂ یونانی اور تکملۂ ہندی کے نام سے برّ عظیم کے مشہور کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں اور طبع بھی ہو چکے ہیں۔

تکملۂ یونانی کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ موجز کے ترجمۂ فارسی سے فراغت کے بعد میں نے سوچا کہ سخنہائے یونانی کو بھی جمع کر دوں۔ اس کتاب کا جو مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے اس کے اوراق ۱۸ ہیں۔ تکملۂ ہندی کے آغاز میں فرماتے ہیں تکملۂ یونانی کے ساتھ میں نے سوچا کہ ادویہ ہندی بھی مرتّب کر دوں، "آصفیہ"، اوراق ۴۲، یہ کتاب مولوی سید ظہیر الدین عرف سید احمد ولی اللٰہی نے مطبع احمدی متعلقہ مدرسہ عزیزیہ سے شائع کر دی تھی، سن طبع مطبع عزیزی کی دیگر مطبوعات کی طرح اس پر بھی درج نہیں ہے ویسے اس کے سن طباعت کی تخمین یوں کی جا سکتی ہے کہ صاحب نزہۃ الخواطر جب ۱۸۹۴ء میں مولوی سید احمد سے دہلی میں ملے تھے تو یہ کتاب زیر طباعت تھی، "دہلی اور اس کے اطراف مولانا سید عبد الحیٔ ص۹۶ صفحات ۸۰ کتاب کے آخر میں شاہ اہل اللہ کے حالات بھی تحریر کیے گئے جو میرے علم کے مطابق سب سے مستند اور مفصّل تحریر ہے۔

فوائد

مولوی سید احمد ولی اللٰہی لکھتے ہیں ؎۲ ایک رسالہ معنون بہ فوائد آپ کی تصنیفات سے ہے، اس میں طریقت کے معارف اور حقیقت

؎۱ مولانا محمد احسن نانوتوی از پروفیسر محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

؎۲ تکملۂ ہندی ص۹۴ مطبع احمدی دہلی۔

کے اسرار بیان کیے گئے ہیں۔

چند مکاتیب شاہ اہل اللہ کے انداز تحریر اور فارسی انشاء کے نمونے کے طور پر ذیل میں ان کے چند مکاتیب، مکتوبات المعارف سے نقل کیے جاتے ہیں :۔

مکتوب :

حضرت شاہ اہل اللہ پھلتی برادر خورد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

بنام شاہ ابوسعید حسنی رحمۃ اللہ علیہ

بخدمت حقائق ومعارف آگاہ فضیلت وکمالات دست گاہ سیدنا سید ابوسعید جیو سلمہم اللہ وابقاہم ـــــ از فقیر اہل اللہ بعد از سلام ملتمس است کہ خط بہجت نمط رسید آنچہ از راہ مہربانگی وشفقت کہ درباره این فقیر مبذول میدارند عنایات وتوجہات ظاہری وباطنی مصروف فرمودند شکر آں بکدام زبان بیان نمودہ اید....

حضرت سُبحانہٗ وتعالیٰ ترقیات دارین وکمالات کونین نصیب آں باذل نفسہ فی مرضات اللہ گرداند چنانچہ ایں نیازمند را از فکر معاش نجات بخشیدند وجل وعلا از جمیع حاجات از دین ودنیا ذات سامی را خلاص ونجات عنایت فرماید ـــــ توقع آنست کہ این درد کہ بہ بخشی رام حوالہ شدہ است بوضع جریان دادہ شود کہ اینجا یا بر دیگر پرگنہ کہ بلا کلفت میسر آمدہ باشد ماہ بماہ بلا دقت بدست می آمدہ باشد زیادہ چہ۔ وہرچہ صلاح دید صاحب بود بہتر است۔ بخدمت میاں محمد عتیق جیو سلام رسد ـــ حسب الایمائے خط شکر گزاری نجان رفعت نشان مرقوم شدہ اگر مناسب دانند بگزرانند ـــ

ایک مکتوب گرامی میں حضرت شاہ اہل اللہؒ حضرت رائے بریلوی کو تحریر فرماتے ہیں :

(۱) احوال یومیہ کہ از توجہ وجیہہ صورت گرفتہ است، بفضلِ الٰہی تا حالِ تحریر جاری است وایں نیازمند با دیگر کس وکوئے خود رطب اللسان شکر گزاری است

اللہ تعالیٰ دیرگاہ سلامت دارد و فقیرزادہ محمد مقرّب اللہ سلام نیازی رساند۔
زیادہ چہ نویسد۔:

(۲) مکتوب حضرت شاہ اہل اللہ بنام شاہ ابوالّلیث حسنی ملقب بہ ابوالعیش فرزند حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ!

عزیزالقدر سیادت مرتبت سید ابوالعیش سلمہٗ ربّہ بعد از سلام شوق التیام مطالعہ نمایند کہ شوق دیدار ایشاں از استماعِ سعادت مندی شان زبانی والدِ بزرگوار بحدِّ کمال است۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ بعافیت طرفین وخیریت جانبین ملاقات مسرّت آیات میسّر فرماید ــــــ یقین است کہ باشتغال علوم ظاہری و تحصیل سلوک باطنی از جناب قبلہ گاہ خود کہ مجمع کمالات دارین اند مشغول خواہید بود کہ بزرگ زادہ خاندانِ عالیہ را ازیں ہر دو چیز ناگزیر است۔ زیادہ بجز شوق و دعا چہ نویسد۔

نصائح شاہ اہل اللہ نے اپنی کتاب چہار باب[علہ] میں آخری (چوتھے) باب میں جو چھبّیس نصائح لکھے ہیں، ان میں سے نقل کیے جاتے ہیں!

زندگانی چند روز است بدانند کہ آخر گزشتنی ست از بہر دنیا با کسے عداوت و دشمنی نگیرند کسے را عیب نکنند و بد نگویند خصوصاً عیب یک فرقۂ خاص را علانیہ ذکر نکنند و تا توانند بر کسے حسد نبرند و دروغ بے فائدہ بر زبان نیاورند سخنِ بمد کسے بہ کسے نرسانند و خود را از بخل و جُبن تا توانند پاک گردانند و برانچہ رضائے اللہ تعالےٰ است راضی باشند و خود را بزرگ تر بن و کلاں نشمارند و

دُنیوی زندگی چند دن کی ہے، خیال رکھیں کہ یہ آخر گزر جائے گی اس لیے دنیا کے لیے کسی سے عداوت اور دشمنی نہ رکھیں اور کسی سے کسی کا عیب نہ کہیں اور اُسے بُرا نہ کہیں خصوصاً کسی خاص فرقے کا عیب بھری محفل میں نہ کہیں جہاں تک ہو سکے کسی سے حسد نہ کریں اور بے فائدہ جھوٹ نہ بولیں اور کسی کی بُری بات دوسرے تک نہ پہنچائیں اور خود کو کنجوسی اور بزدلی (کے الزام) سے جہاں تک ہو سکے محفوظ رکھیں،

علہ مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۵۸ھ (مگر ہم یہاں وصایا اربعہ مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری سے نقل کر رہے ہیں)

فخر و نخوت را در دل راہ ندہند و تا توانند در اصلاح عالم بکوشند و درمیان ہیچ کس نقیض و فساد نیندازند و در اکلِ حلال و صدق مقال و استقامت احوال سعی کلی نمایند کہ سر جمیع طاعات و رئیس جملہ عبادات است و از کلمۂ خیر در حق خویش و بیگانہ باز نمانند و در امر معروف و نہی عن المنکر سعی بلیغ گمارند و اگر نتوانند بدلِ ناخوش دارند و خود مرتکب آں نشوند،

اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہیں اور خود کو بڑا نہ سمجھیں اور دل میں فخر (بے جا) اور گھمنڈ نہ پیدا ہونے دیں اور دنیا کی اصلاح و درستی کی کوشش کریں اور کسی کو کسی سے نہ لڑائیں اور حلال روزی کمانے سچ بولنے اور راست روی کی پوری کوشش کریں اس لیے کہ یہی رُوحِ طاعات اور اصل عبادات ہے اور اپنے اور پرائے کو نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور اچھی باتوں پر اکسانے اور بُری باتوں پر ٹوکنے کی سعی بلیغ کریں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان (برائیوں کو) دل سے بُرا سمجھیں اور (کم سے کم) خود ان کا ارتکاب نہ کریں۔

ایام حیات و صحت خود را غنیمت شمارند بغیر ضرورت تمام در مہلکہ نیفتند اگر مریض شوند پیشِ طبیب حاذق بروند و اختیار در دست او دہند و در تدبیر دوا و غذا مخالفت نہ نمایند و بے ظہور خطائے فاحش طبیب دیگر نہ طلبند۔

اپنی زندگی اور تندرستی کو غنیمت سمجھیں بے ضرورت ہلاکت میں نہ پڑیں اگر بیمار ہو جائیں تو کسی طبیب حاذق کے پاس جائیں اور اس کے ہاتھ میں اختیار دے دیں اور احتیاط، دوا اور پرہیز کے باب میں اس کی ہدایات کے خلاف ورزی نہ کریں اور جب تک اس طبیب سے کھلی کھلی کوئی غلطی نہ ہو جائے دوسرا طبیب نہ بدلیں۔

در شادی و غم و غصہ چناں فعلے نکنند کہ بار دیگر ندامت آں کشند و در وقت غضب عنان خود بگیرند چناں حرف سخت نگویند کہ اگر باہم موافقت

خوشی، رنج اور غصے کی حالت میں کوئی ایسا کام نہ کریں کہ دوسری بار اس کی ندامت اٹھانی پڑے اور غصے میں خود پر قابو رکھیں مقابل سے کوئی ایسی بات نہ کہیں کہ دوبارہ

شود خجلت ازاں کشند۔

اتفاق اور باہم صلح ہو جائے تو اس سخت بات کہدینے کی شرم محسوس ہو۔

در غنائے وافر و فقر مفرط تا توانند از اخلاق قدیم خود نگردند و بر دولت خود چنداں ننازند و از غربت و فقر خویش چنداں ننالند کہ گردون گردان است و جہاں زِ رنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

دولت کی ریل پیل اور فقر و فاقہ میں جہاں تک ہو سکے اپنے پہلے کے عادات و اطوار میں فرق نہ آنے دیں، نہ اپنی دولت پر اِترائیں، نہ تنگ دستی و پریشان حالی سے پست ہمت ہوں کہ آسمان گردش میں رہتا ہے اور زمانے میں انقلاب آتے رہتے ہیں۔ (کل آپ کی حالت بدل سکتی ہے)

زِ رنج و راحتِ گیتی مرنجان دل مشو خرم
کہ آئین جہاں گاہے چنین گاہے چناں باشد

رعایت و آداب گفت و شنفت و نشست و برخاست ہر جا و ہر مکان ضرور و لازم است خصوصاً در مجالسِ عامّہ کہ در مرعی داشتن آں جہد بلیغ نمایند و محافظت تمام کنند کہ از ہیچ کس سخن بے جا حرکت و لغو سرزد و نشود و در ہیچ امرے مخالفت اہلِ مجلس روا ندارند و رعایت مرضی رئیس آں را از اہم ضروریات شمارند و اگر خود سالارِ مجلس باشند باحوال ہر کس موافق قدر او در تعظیم و تکریم رعایت کنند و برملا حرفے نہ گویند و فعلے نسازند کہ بر ہیچ کس از رئیس و خسیس گراں اُفتد۔

ہر جگہ اور ہر مقام کے باہم گفتگو اور نشست و برخاست کے طور طریق کا خیال رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ خاص طور پر عام محفلوں میں ان طور طریقوں کا لحاظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور اس کا اہتمام کریں کہ کسی شخص سے بُری بات اور بیہودہ حرکت سرزد نہ ہونے پائے اور کسی بات میں شرکاءِ محفل کے خلاف طبیعت کام نہ کریں اور صدرِ بزم کی خاطر داری کو اہم ترین ضروریات میں شمار کریں، اور اگر خود میرِ محفل ہوں تو ہر شخص کی حیثیت کے مطابق اس کی تعظیم و تکریم کا لحاظ رکھیں اور بے تامّل کوئی ایسی بات نہ کہیں نہ کوئی ایسا

کام کریں جو محفل کے خواص و عوام پر گراں گزرے۔

عقل و کیاست و فہم و فراست

ہر چند امر جبلی ست اماں بکثرت تجربہ وصحبت عقلا و کسب علوم عقلیہ واستماع قصص ونصائح می افزایند پس باید کہ چناں کوشند کہ ہر روز قوائے عقلیہ قوی کردہ می باشند و خود را تکلیف و فکر از عقلا گردانند و در زمرۂ سفہا نگذارند۔

عقل و ہوشیاری اور سمجھ بوجھ اگرچہ پیدائشی صفات ہیں لیکن یہ تجربات کی کثرت، عقل مندوں کی صحبت اور علوم عقلیہ (منطق و فلسفہ) حاصل کرنے سے ترقی کر سکتی ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ یہ کوشش کرے کہ اس کے قوائے عقلیہ روز بروز قوی تر ہوتے جائیں اور کوشش اور چٹیک سے خود کو عقلمندوں میں شامل کرنا چاہیے تا سمجھوں اور بدھوؤں کے گروہ میں محسوب ہونے سے بچنا چاہیے۔

شاہ ولی اللہؒ کے خلیفۂ اعظم

شاہ محمد عاشق پھلتی

شاہ محمد عاشق کے شاہ ولی اللہؒ سے کئی رشتے اور تعلق تھے، وہ شاہ صاحبؒ کے ممیرے بھائی، نسبتی بھائی، سمدھی، رفیق طفلی، شریک درس، شاگرد اور مسترشد و خلیفہ تھے۔

شاہ محمد عاشق کے والد شیخ عبید اللہ تھے جو شاہ ولی اللہؒ کے خسر تھے، اور دادا شیخ محمد تھے جو شاہ عبد الرحیم کے خسر تھے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے نانا شیخ محمد کے حالات پر ایک رسالہ العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ لکھا تھا جو ان کی کتاب کے سات ابواب میں سے ایک باب ہے (۱۶۹ تا ۱۷۸ مطبع احمدی دہلی) یہی کتاب شاہ محمد عاشق کے اسلاف کے متعلق ہمارا واحد ماخذ ہے اخلاف کے متعلق ہم اس خاندان کے موجودہ ارکان کی زبانی روایات اور جس کتابی ماخذ کی بنا پر جو کچھ بیان کریں گے اس کا برمحل حوالہ دے دیں گے۔

شاہ محمد عاشق کے اسلاف نسلاً صدیقی تھے اور کسی زمانے میں حجاز سے برعظیم کے علاقہ پورب میں بلدۂ سدھور[1] میں مقیم ہو گئے تھے، ان میں سے ایک بزرگ شیخ احمد بن یوسف[2] کی رسائی سلطان سکندر لودھی (ف ۱۵۱۶ء) کے

---

[1] "سدھور قریۃ من اعمال بارہ بنکی من ارض اودھ" (نزہۃ ثامن ص۸۵) [2] حکیم انیس احمد صدیقی کا بیان ہے کہ شیخ احمد بن یوسف سکندر لودھی کے استاد تھے، حکیم صاحب کا سلسلۂ نسب شیخ احمد ہی سے ملتا ہے۔ انیس احمد بن علاء الدین بن محمد عمر بن عبد الواسع بن عبد الحکیم بن عبد الغنی بن عبد المعالی بن صدر جہاں بن بدر عالم بن شیخ محمد بن ابی القاسم بن شیخ احمد

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

دربار میں ہوئی اور بارہہ کے علاقے میں چند گاؤں جاگیر میں ملے تو یہ خاندان پورب سے نواحِ دہلی میں منتقل ہو گیا اور پھلت وطن قرار پایا جو ضلع مظفر نگر قصبہ کھتولی کا ایک قریہ ہے اور دہلی سے اس کی مسافت ۴۰ میل ہے۔

شیخ محمد | شیخ احمد بن یوسف کے بھائی شیخ محمود کی پانچویں پشت میں شیخ محمد عاقل بن ابی الفضل، بن ابی الفتح بن شیخ فرید بن محمود بن یوسف ایک عالم اور صاحب دل بزرگ تھے، ان کے بڑے صاحب زادے کا نام شیخ محمد تھا۔ شیخ محمد نے ابتدائی تعلیم پھلت میں حاصل کرنے کے بعد دہلی کا رخ کیا اور شاہ ابوالرضا محمد (ف ۱۱۰۰ھ) سے کچھ دن مستفید ہوئے اور اس کے بعد شاہ عبدالرحیم کے دامن کمال وارشاد سے وابستہ ہو گئے اور تحصیلِ علوم اور تربیت باطن سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد ایک طویل سفر پر روانہ ہو گئے اور مختلف ومتعدد ممالک اسلامیہ کا سفر کر کے وطن واپس ہوئے اور درس وارشاد میں صرف اوقات کرنے لگے ۱۱۲۵ھ میں پھلت میں وفات پائی۔

آپ کی ایک صاحب زادی اور دو صاحب زادے تھے، صاحب زادی کا نام فخر النساء[1] تھا اور وہ شاہ عبدالرحیم کی دوسری اہلیہ اور شاہ ولی اللہؒ کی والدہ تھیں۔ شاہ عبدالرحیم نے ایک بشارت کی بنا پر جب ساٹھ سال کی عمر میں دوسری شادی کا ارادہ کیا اور شیخ محمد کو اس بشارت اور ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی لختِ جگر کی پیشکش کی اور شاہ صاحبؒ سے ان کا عقد ہو گیا، بشارت کے مطابق ان کے بطن سے شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ) اور شاہ اہل اللہ (۱۱۱۹ھ) جیسے نامور اور صاحب کمال فرزند پیدا ہوئے۔

شیخ محمد کے دو صاحب زادے شیخ عبیداللہ اور شیخ حبیب اللہ تھے۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ:- شیخ احمد کا سلسلۂ نسب ۱۶ واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ صدیق امت ص۶ لاہور ۱۹۶۹ء۔

[1] شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات، دہلی ۱۹۶۹ء خلیق احمد نظامی ص۲۱۳

شیخ عبیداللہ شیخ محمد کا بیان ہے کہ ایک روز باری تعالیٰ نے ایک شناسا کی شکل میں تجلّی فرمائی جو گویا ایک بچّے کی انگلی پکڑے ہوئے میری طرف آرہا تھا اور میرے قریب آکر فرمایا محمد! میں یہ بچہ تیرے گھر پیدا کرتا ہوں، میں نے عرض کی، بارِالٰہا! تیری مخلوق ہے جس کے گھر میں چاہے پیدا کر۔ اس رویا کے چند دن بعد شیخ عبیداللہ کی ولادت ہوئی۔ شیخ عبیداللہ نے اپنے والد سے تحصیلِ علوم کی اور ۱۱۴۳ھ میں جب شاہ ولی اللہؒ نے سفرِ حجاز کیا تو یہ بھی ان کے ساتھ تھے، اور شاہ صاحبؒ نے جن جن شیوخِ حجاز سے استفادہ کیا شیخ عبیداللہ بھی ان کے ساتھ تھے، چنانچہ شیخ ابوطاہر بن شیخ ابراہیم کردی نے شاہ صاحبؒ کو صحیح بخاری کی جو سند ۲۲ رجب ۱۱۴۴ھ کو عطا فرمائی تھی اس میں شیخ عبیداللہ کا نام بھی درج کیا تھا[1] ۱۱۴۵ھ میں حج و زیارت اور اخذِ حدیث کے بعد وطن واپس ہوئے اور سن ۱۱۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ شیخ عبیداللہ کے ایک صاحب زادی فاطمہ[2] اور ایک صاحب زادہ شاہ عاشق تھے۔ فاطمہ سے شاہ ولی اللہؒ کی شادی ہوئی اور ان سے صرف ایک صاحب زادہ شیخ محمد[3] پیدا ہوئے۔

شاہ محمد عاشق شاہ محمد عاشق کے سن ولادت کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملی مگر شاہ ولی اللہ کے متعدد اقوال سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے عمر میں کچھ ہی کم تھے، ابتدائی تعلیم غالباً اپنے والد ہی سے حاصل کی ۱۱۲۸ھ[4] میں شاہ محمد عاشق کی والدہ اور نانی کا انتقال ہوگیا تو غالباً انھیں دہلی بھیج دیا گیا، جہاں شاہ عبدالرحیم کے گھر میں ان کی پھوپی (فخرالنساء) اور شاہ ولی اللہؒ کے گھر میں ان کی بہن (فاطمہ) تھیں، شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔[5]

روزے در اواخر ایام خود (شاہ

شاہ عبدالرحیم نے اپنی زندگی کے آخری

---

[1] اتحاف النبیہ مایحتاج الیہ المحدث والفقیہ، شاہ ولی اللہ، لاہور ۱۹۶۹ء ص ۱۹ [2] خاندانی شجرہ سے
[3] ملاحظہ ہو شیخ محمد پر ہمارا مضمون "شاہ ولی اللہ کے ایک گم نام فرزند" (فاران کراچی ۱۹۶۶ء)
[4] الجزء اللطیف ترجمۃ العبد الضعیف مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ص ۱۹۴
[5] بوارق الولایت ص ۱۴ (انفاس)

عبدالرحیم) بایں فقیر و صلاح آثار محمد عاشق اشارت کردہ فرمودند کہ بایک دیگر بسیار دوستی دارند و ایں دوستی سبب ابتہاج و سرور من می شود و سرّ ایں کلمہ من بعد بظہور پیوست کہ ایں عزیز بایں فقیر ارتباط طریقہ پیدا کردہ منتفع شدو امید آنست کہ ایں دوستی مثمر فوائد بسیار باشد۔

دنوں میں، ایک بار میری محمد عاشق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان دونوں کی آپس میں بڑی دوستی ہے اور اس دوستی سے مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ والدِ مرحوم کی اس بات کا راز بعد میں کھلا، جب محمد عاشق نے خاکسار سے بیعت کی اور نفع حاصل کیا امید ہے کہ یہ دوستی بہت سے مزید فوائد سے منتج ہوگی۔

یہ بات شاہ عبدالرحیم نے اپنی زندگی کے آخری سال (۱۱۳۱ھ) میں فرمائی تھی تو اس وقت شاہ ولی اللہؒ ۱۶ سال کے تھے، اس لیے شاہ عاشق کو کم از کم ۱۰، ۱۱ سال کا ہونا چاہیے (ورنہ اس سے زیادہ تفاوت عمر کی صورت میں "دوستی بسیار" نہیں ہوسکتی) اور ان کی والدہ کی رحلت (۱۱۲۸ھ) کو تقریباً دو سال ہوئے تھے اور وہ غالباً تعلیم و تربیت کے سلسلے میں دھلی میں مقیم تھے۔

شاہ عبدالرحیم کے انتقال کے ۱۲ برس بعد، ۱۱۴۳ھ[1] میں جب شاہ ولی اللہؒ حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے تو شاہ محمد عاشق اور ان کے والد شیخ عبیداللہ بھی ہمراہ تھے۔ چنانچہ شیخ ابوطاہر کُردی نے روایت حدیث کا جواجازہ ۲۲ رجب ۱۱۴۴ھ کو لکھ کر دیا اس میں لکھتے ہیں[2]

وکان ختمہ بحضرۃ جماعۃ من الفضلاء منھم خالہ المراقب فی اللہ الشیخ عبیداللہ وابن خالہ المذکور الفاضل الادیب مرآۃ کمالہ ومخدین جمیل خصالہ الذی لم یزل لسانہ بذکر اللہ الواثق بالصمد الخالق مولینا محمد عاشق صانہ من البوائق ورقاہ اللہ علی المراتب الکمال وصرف عنہ کل فائق۔

صحیح البخاری قرأت وسماعت کا ختم کئی فضلا کے سامنے ہوا جن میں سے ایک شاہ صاحبؒ کے ماموں...... شیخ عبیداللہ اور شیخ عبیداللہ کے صاحب زادے .... مولانا محمد عاشق ... . بھی تھے۔

---

[1] مولوی سید احمد ولی اللہی نے تاریخ سفر ۸ ربیع الثانی لکھی ہے (ص۱۹ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ) [2] اتحاف النبیہ ص۱۹

و سمع علیّ الامم"...... بقراۃ ابن خالہ الشیخ محمد عاشق۔	شاہ ولی اللہؒ نے مجھ سے میرے والد کا ثبت" الامم" سنا...... کتاب کی قرات ان کے میرے بھائی شیخ محمد عاشق نے کی۔
اجزت لسیدنا الشیخ ولی اللہ المذکور...... ولخالہ وابن خالہ المجدین فی اعلی المستوی۔	میں نے شیخ ولی اللہ، ان کے ماموں اور میرے بھائی کو روایت حدیث کی اجازت دی۔

اخذ فیض، حصول اجازت اور ادا، فریضہ حج سے فراغت کے بعد یہ کاروان فضل وتقوا دیار نبیؐ سے رخصت ہوا اور ۱۴ ررجب سن ۱۱۴۵ھ کو دہلی پہنچا[1] شاہ محمد عاشق کا وصال ۱۱۸۷ھ میں ہوا، مزار پھلت میں ایک احاطہ میں ہے جو پھلت میں بڑی خانقاہ اور" خانقاہ شاہ محمد عاشق" کے نام سے معروف ہے۔ اس میں چار مزارات ہیں۔ (۱) ایک شاہ محمد عاشق کا۔ (۲) شاہ محمد فائق کا۔ (۳) شاہ محمد عمر بن شاہ اہل اللہ کا۔ چوتھے مزار کی تحقیق نہ ہوسکی۔

اخلاف

شاہ محمد عاشق کے تین فرزند تھے، عبدالرحمٰن، محمد فائق، ثناء اللہ

عبدالرحمٰن شاہ عبدالرحمٰن غالباً سب سے بڑے صاحب زادے تھے خیال ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے علاوہ شاہ ولی اللہؒ سے بھی تحصیل علم کی ہوگی، شاہ ولی اللہؒ اپنے ایک عربی مکتوب بنام شاہ محمد عاشق میں تحریر فرماتے ہیں[2]

وقد وصل الولد العزیز عبدالرحمٰن مع اولادہ بالخیر والعافیہ وقد تلقینا	اور عزیزی عبدالرحمٰن اور ان کے اہل وعیال (پھلت سے دہلی) بخیر وعافیت

---

[1] الجزء اللطیف ص۱۹۶۔ [2] مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام شاہ ابوسعید بریلوی۔ مکتوبات المعارف، مطبع انوارالعلوم سہارنپور ۱۳۰۴ھ۔ [3] حیات ولی اللہ ص۲۹ طبع دہلی سن ۱۳۱۹ھ۔

تلقینا حسناً و قرء علیّ من کتاب فوز الکبیر شیئاً و عسیٰ ان یقرء علیٰ ھٰذا النمط حتیٰ یختم ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

پہنچ گئے ہیں اور ہم سے ان کی اچھی طرح ملاقات ہوئی ہے اور انھوں نے مجھ سے الفوز الکبیر کا کچھ حصّہ پڑھ بھی لیا ہے اور امید ہے کہ اسی طرح یہ کتاب پڑھ کر انشاء اللہ ختم کرلیں گے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحمٰن اس وقت تعلیم سے فارغ اور صاحب اہل وعیال ہو گئے تھے اور ملاقات کے لیے شاہ صاحبؒ کے پاس پہنچے تو انھوں نے الفوز الکبیر جو اس زمانے میں تالیف کی تھی پڑھانی شروع کردی ۔

شاہ عبدالرحمٰن کا ایک اہم کارنامہ شاہ ولی اللہؒ کے مکاتیب کی جمع و تدوین ہے ۔ یہ مجموعہ انھوں نے شاہ ولی اللہؒ کی حیات ہی میں مرتّب کرلیا تھا جو ۲۸۱ مکاتیب پر مشتمل ہے اس کا دوسرا حصّہ ان کی وفات کے بعد ان کے والد شاہ محمد عاشق نے مرتّب کیا تھا جس میں ،، مکاتیب ہیں ، کُل ۳۵۸ مکاتیب دونوں حصّوں میں ہیں جن میں سے سیاسی نوعیت کے مکاتیب جناب خلیق احمد نظامی نے "شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکاتیب" کے عنوان سے شائع کردیے ہیں ۔ جس کی تازہ اشاعت ۱۹۶۹ء ہمارے پیشِ نظر ہے ۔

شاہ عبدالرحمٰن کا نوعمری ہی میں شاہ ولی اللہؒ کے وصال سے ۸/۹ سال قبل ۱۱۶۸ھ میں وصال ہوگیا[1] شاہ ولی اللہ کو اس حادثہ کی خبر ملی تو انھوں نے شاہ محمد عاشق کو تعزیت نامے میں تحریر فرمایا :۔ "خبر وحشت اثر رسید ندانم کہ در برابر آں چہ نویسم زیرا کہ حادثہ واقع شدہ است کہ در عالم بشریت حادثہ شدید تر ازاں نمی باشد" ص۲۵ سیاسی مکتوبات ۔

ہمارے پیشِ نظر شاہ محمد عاشق کے اخلاف کا جو قلمی شجرہ ہے اس میں شاہ عبدالرحمٰن کے بیٹے ۔ پوتے اور پڑپوتے کے نام بترتیب ابوالفضل ، ابوالفرح اور ابوالفتح لکھے ہوئے ہیں ۔

---

[1] خلیق احمد نظامی ، سیاسی مکتوبات ص۲۵

شاہ محمد فائق | شاہ محمد عاشق کے دوسرے فرزند شاہ محمد فائق تھے، شاہ عبدالرحمٰن کے وصال کی وجہ سے شاہ محمد عاشق ان کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے، یہاں تک کہ سفر میں بھی یہ ساتھ ہی ہوتے تھے، چنانچہ شاہ محمد عاشق کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہ ولی اللہؒ سے ملاقات کے لیے دہلی آئے تھے اور شاہ محمد فائق بھی ان کے ساتھ تھے، اسی طرح شاہ ولی اللہؒ اپنے مرض الموت میں پھلت تشریف لے گئے تھے اور وفات سے چند روز قبل جب وہ دہلی لائے گئے تو پھلت کے جو اعزہ ان کے ساتھ آئے تھے ان میں شاہ اہل اللہ، شیخ محمد (شاہ ولی اللہؒ کے سب سے بڑے صاحب زادے) شاہ محمد عاشق اور شاہ محمد فائق بھی تھے۔

شاہ محمد فائق کا عقد اپنے پھوپھا شاہ ولی اللہؒ کی صاحب زادی امۃ العزیز سے ہوا تھا۔ [1]

امۃ العزیز | شاہ ولی اللہ کی ان صاحب زادی کی تاریخ ولادت اگرچہ کہیں نظر سے نہیں گزری مگر ہمارا قیاس یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کی وفات سے دو سال قبل سن ۱۱۷۴ھ میں پیدا ہوئی تھیں، یہ صاحب زادی جیسا کہ عبدالرحیم ضیاؔ نے مقالات طریقت میں لکھا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی دوسری اہلیہ سے تھیں، شاہ صاحب کی دوسری شادی، ۱۱۵۵ھ میں ہوئی تھی، شادی کے دو سال بعد ۱۱۵۹ھ میں شاہ عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے اور پھر چار سال کے فاصلے سے ۱۱۶۳ھ میں شاہ رفیع الدین، ۱۱۶۷ھ میں شاہ عبدالقادر اور ۱۱۷۱ھ میں شاہ عبدالغنی پیدا ہوئے اس لیے ہمارا خیال یہ ہے ۱۱۷۱ = ۴ — ۱۱۷۴ھ میں امۃ العزیز پیدا ہوئی ہوں گی۔

خاندانی روایت یہ ہے کہ امۃ العزیز کا عرف "مسیتی" تھا یہ قرین قیاس بھی ہے اس لیے کہ شاہ عبدالعزیزؒ کا عرف "مسیتا" تھا، خود ان کا بیان ہے کہ [2]

"بندہ را عورات مسیتا می گفتند"

مسیتا اور مسیتی، مسیت سے مشتق ہیں اور مسیت، مسجد کا عوامی تلفظ ہے۔

---

[1] مقالات طریقت از عبدالرحیم ضیاؔ [2] ملفوظات عزیزی ص۱۰۹

جن لوگوں کے بچے بچتے نہیں ہیں، وہ اپنے نومولود کو مسجد کی نذر کر دیتے ہیں یہی شاہ صاحبؒ کے یہاں ہوا، شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں؛[1]

چوں والدین را کودک بسیار مردہ بودند مگر برائے من آرزوئے کمال بود و آں ہنگام بزرگان بسیار و اولیا بسیار از یاران والدِ ماجد مثل شاہ محمد عاشق و مولوی نور محمد وغیرہ معتکف مسجد بودند پس مارا غسل دادہ در محراب انداختند گویا نذر خدا کردند پس بزرگان مارا قبول کردہ از طرف خدا انعام کردند۔	چونکہ والدین کے بہت سے بچے پیدا ہو کر مر چکے تھے، اس لیے میری ولادت کی بڑی آرزو تھی (میری ولادت کے وقت) میرے والدِ ماجد کے احباب میں سے بہت سے بزرگ اور نیک حضرات مسجد میں معتکف تھے (جب) میں پیدا ہوا تو) مجھے نہلا کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا تو گویا خدا کی نذر کر دیا گیا، پھر ان بزرگوں نے محراب سے اٹھا کر اور اللہ کی طرف سے قبول کر کے میرے والدین کو بخش دیا۔

عین ممکن ہے کہ یہی صورت صاحب زادی کی ولادت کے وقت ہوئی ہو کہ چوں کہ اب تک کوئی لڑکی نہیں ہوئی تھی، اس لیے منت مانی گئی ہو کہ اگر لڑکی ہوئی تو ہم مسجد کی نذر کریں گے، اور جب لڑکی ہوئی تو اس کو بھی خانۂ خدا میں لے جا کر خدا کی نذر کیا گیا اور پھر خدا کی طرف سے واپس قبول کر لیا گیا اور مسیتی نام رکھ دیا گیا۔ شاہ محمد فائق کا سنِ رحلت معلوم نہ ہو سکا مگر ان کی سالانہ فاتحہ ۶ رذی قعدہ کو کی جاتی ہے۔ مزار پھلت کی خاندانی درسگاہ میں اپنے والد کے مزار کے برابر ہے۔

اولاد خاندانی روایت یہ ہے کہ شاہ محمد فائق کے تین لڑکے ہوئے، محمد معصوم، محمد صادق اور عبدالسلام، محمد معصوم اور محمد صادق لاولد رہے۔ البتہ شاہ عبدالسلام کا سلسلہ چلا۔ شاہ عبدالسلام کا قیام اپنے ننہال

---

[1] ملفوظات عزیزی ص۱۰۹

خانقاہ عزیزیہ دہلی ہی میں رہا اور وہیں وصال بھی ہوا مزار بھی مہندیاں میں ہے[1]
شاہ عبدالسلام کے ایک صاحب زادے شاہ محمد زکریا تھے، جن کی شادی مولانا نواب قطب الدین خاں دہلوی کی بہن بادشاہ بیگم سے ہوئی تھی، شاہ زکریا کے اخلاف کا شجرہ :

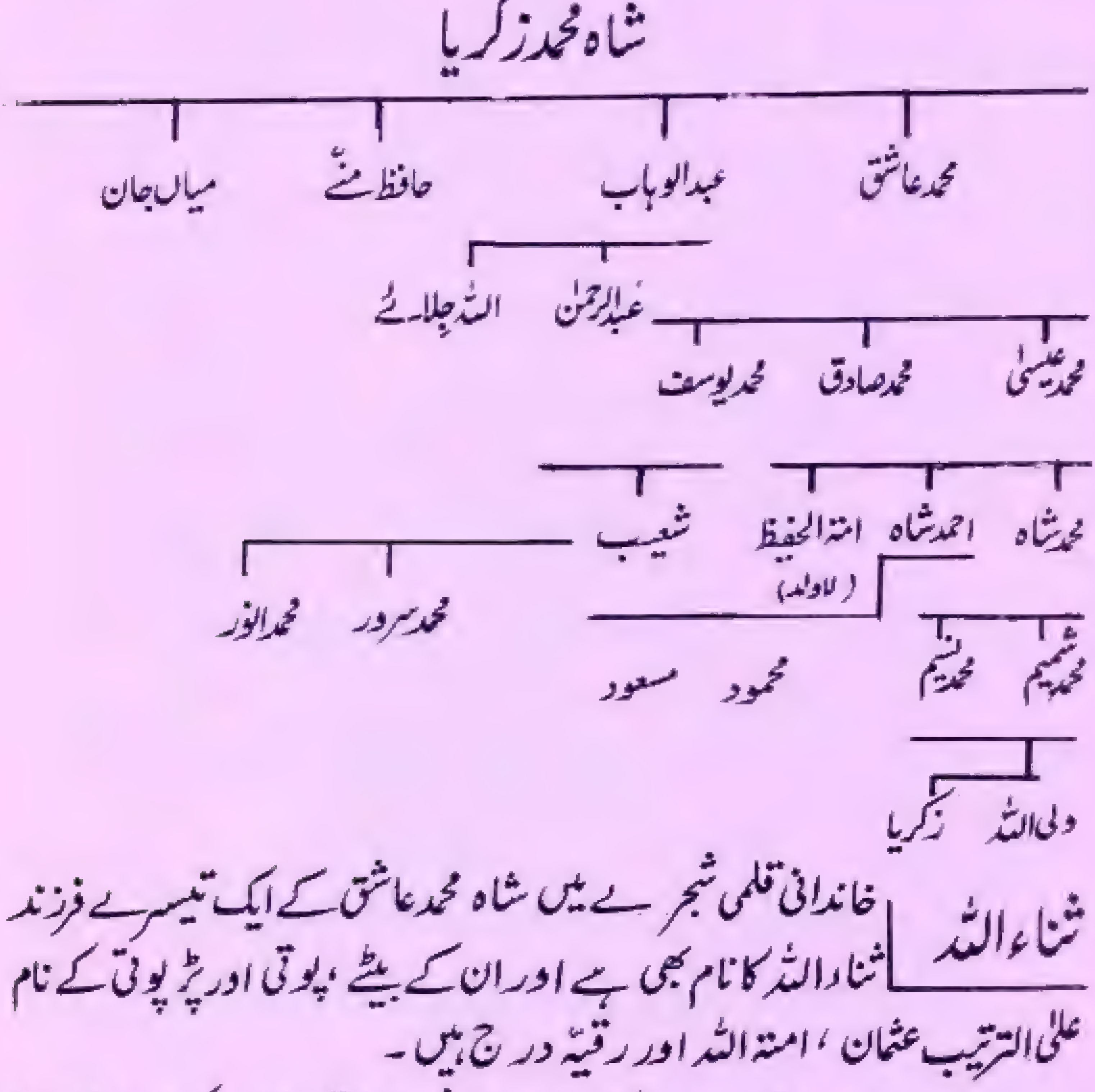

ثناء اللہ خاندانی قلمی شجرے میں شاہ محمد عاشق کے ایک تیسرے فرزند ثناء اللہ کا نام بھی ہے اور ان کے بیٹے، پوتی اور پڑپوتی کے نام علی الترتیب عثمان، امۃ اللہ اور رقیہؒ درج ہیں۔

تلامذہ و مریدین شاہ ولی اللہؒ نے اپنے پیشِ نظر عظیم مقاصد کی خاطر بڑی منصوبہ بندی کی تھی، انھوں نے ابتداءً درس پر توجہ دی اور محنت کر کے مختلف فنون کے متخصص علماء ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو ان کی اعانت اور نیابت کر سکے۔ اور اس کے بعد تدریس کے فرائض اس جماعت کے سپرد کر کے

---

[1] واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم از بشیر الدین احمد آگرہ ۱۹۱۹ء صفحہ ۵۹۰

خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

شاہ محمد عاشق اس جماعت کی جان اور گروہ کے سب سے ممتاز فرد تھے، جو نہ صرف شاہ ولی اللہؒ کی بہترین تربیتی صلاحیتوں سے متمتع ہوئے بلکہ اساتذۂ وقت سے استفادہ میں ان کے رفیق بھی رہے تھے، چنانچہ وہ پھلت اور دہلی میں درس و افادہ کے فرائض انجام دیتے رہتے تھے۔ ان کے سب سے ممتاز شاگرد تو شاہ ولی اللہؒ کے پانچوں فرزند گرامی ہی تھے، سب سے بڑے صاحب زادے شیخ محمد جو اپنی نانہال ہی میں سکونت پذیر تھے، یقیناً شاہ محمد عاشق کے زیر درس و تربیت رہے ہوں گے اور شاہ ولی اللہؒ کو سب سے زیادہ اعتماد اسی بات پر ہو گا کہ پھلت میں شیخ محمد کے حقیقی ماموں شاہ محمد عاشق ہیں۔ پھر جب ۵۴ سال کی عمر میں ان کے یہاں شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے تو ظاہر ہے کہ ان کی تعلیم کے ابتدائی مراحل بھی شاہ محمد عاشق ہی نے طے کرائے ہوں گے علہ، متوسطات کی تعلیم شاہ ولی اللہؒ نے ہی دی لیکن تعلیم کی تکمیل سے قبل ہی جب باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو فاتحۂ فراغ انھوں نے شاہ محمد عاشق سے ہی پڑھا اور اجازت بھی انہی سے لی عله شاہ رفیع الدین نے جو والد کی وفات کے وقت ۱۳ سال کے تھے، اور میبذی پڑھتے تھے اور شاہ عبدالقادر نو سال کے اور صرف میر پڑھتے تھے، شاہ عبدالغنی جو ۵ سال کے تھے اور قرآن کریم حفظ کرتے تھے شاہ محمد عاشق سے درسیات پڑھیں۔ عله خود ان کے فرزندانِ گرامی نے ان سے پڑھا ہو گا، پھلت کے کئی گم نام علماء ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوں گے۔

عله شاہ ولی اللہؒ نے اپنے خلفا میں سے ایک نہایت متین اور قابل شخص کے ہاتھ میں آپ کی خدمت تعلیم سپرد کی جس نے نہایت قابلیت اور دل سوزی سے اس خدمت کو ادا کیا اور بڑی جاں کاہی سے تعلیم دی تقریباً دو سال کے عرصے میں آپ نے عربی کے مختلف فنون میں بلا کی حیرت انگیز ترقی کی...... ان علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ والدِ بزرگوار شاہ ولی اللہ کی درسگاہ میں جانے لگے ص۳۲۱-۳۲۲ حیات ولی عله عجالۂ نافعہ (معہ فوائد جامعہ از مولانا عبدالحلیم چشتی کراچی ۱۹۶۴ء) ص۱ و مقالات طریقت ص۱۸۔

عله مقالات طریقت عبدالرحیم ضیا حیدر آباد دکن تالیف ۱۲۹۱ھ طبع ۱۲۹۱ھ ص۲۸۔

ان حضرات کے ساتھ قاعدے کے مطابق طلبہ کی ایک جماعت ہوتی ہوگی اگرچہ ان میں سے کسی کے نام کا علم نہ ہوسکا۔

ان کے مشغلہ درس کا ایک اور ثبوت شاہ عبدالعزیز کا یہ بیان ہے کہ وہ ایک روز[علہ]

شاگردے را یکماں دقت می خوانیدند ونسبت درعین اشتغال ملاحظہ کردم در غایت جوشش بود۔

ایک شاگرد کو بڑی توجہ سے پڑھا رہے تھے مگر میں نے محسوس کیا کہ اس درس کی عین مشغولیت کے دوران بھی نسبت پوری طرح جوش میں تھی۔

تدریس کے ساتھ ساتھ وہ ارشاد وتزکیۂ باطن کے فرائض بھی انجام دیتے ہوں گے، وہ شاہ ولی اللہؒ کے اجل خلفا" تھے۔ خود شاہ صاحبؒ کی حیات میں اپنے نواح کے طالبان تربیت کی طرف توجہ فرماتے ہوں گے، پھر ان کے فضل وکمال اور زہد وتقوا کا شہرہ دور دور پہنچا ہوگا۔ اس لیے دور دور سے احتیاج مند ان کی طرف رجوع کرتے ہوں گے اور شاہ ولی اللہؒ کے وصال کے بعد خصوصاً شاہ عبدالعزیزؒ کی نوعمری تک شاہ صاحبؒ کے متوسلین بھی انھی کی طرف رجوع کرنے لگے ہوں گے۔ چنانچہ تکیہ رائے بریلی کے میر ابوسعید نے انھی سے اجازت وخلافت حاصل کی تھی۔ ہم کسی جگہ شاہ عاشق صاحب کی وہ تحریر نقل کریں گے جو انھوں نے میر ابوسعید کو بطور اجازہ لکھ کر دی تھی، اسی طرح خود شاہ ولی اللہؒ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین کے متعلق عبدالرحیم ضیا نے لکھا ہے کہ انھوں نے شاہ محمد عاشق سے بیعت کی تھی، ہاں شاہ عبدالقادر شاہ عبدالعدل دہلوی سے بیعت تھے۔ البتہ شاہ عبدالغنی ممکن ہے نہ ہوئے ہوں اس لیے کہ ان کے بلوغ تک شاہ عبدالعزیز بھی عمر کی اس منزل میں آگئے تھے کہ ان سے بھی رجوع کیا جا سکتا تھا۔

تصانیف

قول جلی | شاہ محمد عاشق کی تالیفات میں سرِ فہرست ان کی حیات شاہ ولی اللہؒ

علہ ملفوظات عزیزی ص۱۲ مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ۔

ہے جو نہ صرف اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ برِّعظیم کی ایک عظیم شخصیت کی سوانح ہے۔ اور اس موضوع پر اوّلین مآخذ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ کتاب اس فرد کی تالیف ہے جو شاہ صاحبؒ کے کمالات و فضائل کا وارث اور امین تھا، ان کی زندگی کا ہر دور جس کی نظر میں تھا، ان کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر جس کی نظر سب سے زیادہ وسیع تھی، جو اِن کی تجویزوں، آرزوں، حسرتوں اور ان کہی تمناؤں کا رازداں تھا۔ جو اِن کی بیشتر تالیفات کا "سبب تالیف" تھا۔ اور ان کی اکثر تحریروں کا اوّلین مخاطب،

کتاب کا نام "قول الجلی واسرار الخفی" ہے اور یہ خود شاہ صاحب کی حیات میں مرتب کر لی گئی تھی، چنانچہ خود شاہ صاحبؒ نے الجزء اللطیف میں اس کتاب کے مندرجات کی تصویب و تصدیق اس طرح کی ہے۔ عل۱

والدین و جماعت از صلحا بشارات بسیار درحق ایں فقیر قبل ولادت و بعد ازاں دیدند چنانچہ بعض اعزاخوان داجلاء خُلان تفصیل آں واقعات باوقائع دیگر در رسالہ مضبوط نمودہ اند و آں را بہ "قول جلی" مسمّیٰ کردہ اند جزاہُ اللہ خیرالجزا' واحسن الیہ والیٰ اسلافہ و اعقابہ و ادخلہ الیٰ ما یتمناہ من دینہ و دنیاہ۔

میرے سلسلے میں والدین اور کئی صلحا نے میری ولادت سے قبل اور بعد جو بہت سی بشارتیں پائی تھیں، ایک عزیز بھائی اور محترم دوست نے ان بشارتوں اور دوسرے حالات زندگی کو ایک رسالے میں قلم بند کر دیا ہے اور اس کا نام قول جلی رکھا ہے، اللہ تعالیٰ انھیں بہتر جزا دے اور ان کے بزرگوں اور اخلاف کے ساتھ اچھا معاملہ فرمائے اور ان کی دین و دنیا کی خواہشوں کو پورا کرے۔

شاہ ولی اللہؒ کے علوم و سوانح پر اتنی اہم دستاویز عرصہ سے نایاب تھی، نواب صدیق حسن خاں اور مولوی رحمان علی صاحب تذکرۃ علماء ہند کے پیش نظر رہی تھی اور کسی مورّخ نے کبھی اس کے مطالعہ کا ذکر نہیں کیا، اب جناب خلیق احمد نظامی

عل۱ الجزء اللطیف (ص۱۹۴) انفاس العارفین۔

نے یہ مژدہ سنایا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب دریافت کرلی ہے۔ خانقاہ کاکوری میں موجود ہے، نظامی صاحب نے یہ بشارت بھی دی ہے کہ وہ اس کتاب کو شائع بھی فرمائیں گے۔

یہ کتاب، ۹۴ صفحات پر محیط ہے ہر صفحہ میں ۱۹ سطور اور ہر سطر میں ۱۷/۲۰ الفاظ ہیں، مخطوطہ ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء کا لکھا ہوا ہے۔

نظامی صاحب نے شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات کی اشاعت تازہ ۱۹۶۹ء میں اس کے کافی طویل اور معلومات افزا اقتباسات بھی دیئے ہیں اور یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ شاہ محمد عاشق نے شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد اس میں ایک باب کا اضافہ بھی کیا تھا۔

تقریر خیر کثیر شاہ ولی اللہؒ کی معروف تصنیف الخیر الکثیر پر شاہ محمد عاشق نے ایک حاشیہ لکھا تھا جس کے خطبہ میں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب شاہ صاحبؒ نے انھیں پڑھائی تھی اور دوران درس میں جو تفصیل و تشریح حضرت مصنف فرماتے تھے اس کو لکھتا جاتا تھا، بعد میں یہی مجموعۂ تقریرات ترتیب کر کے کتاب کا حاشیہ قرار دیا، یہ حاشیہ رضا لائبریری رام پور[۱] میں ہے صفحات ۸۸

شرح دعاء الاعتصام شاہ ولی اللہؒ کی متعدد گم شدہ تالیفات کی طرح ان کی ایک کتاب "دعاء الاعتصام" بھی ہے۔ شاہ عبد العزیزؒ کا بیان ہے کہ[۲]

"والدِ بزرگ فقیر دعا، موسوم اعتصام تصنیف نمودہ اند بزبانِ عربی۔"

اس کتاب کی شرح شاہ محمد عاشق نے لکھی تھی، افسوس کہ یہ کتاب بھی نایاب ہے، شاہ عبد العزیزؒ ہی کے ایک قول سے اس کے وجود کا علم اور اس کے مندرجات کا اندازا ہوتا ہے۔ مرزا حسن علی لکھنوی نے شاہ صاحبؒ سے پوچھا اہلِ سنت کا مذہب تو یہ ہے کہ غیر انبیاء معصوم نہیں ہوتے مگر شاہ ولی اللہؒ نے تفہیمات

---

[۱] فہرست کتب خانہ رام پور ص ۶۹۹ مرتبہ احمد علی خاں شوق رام پوری۔

[۲] فتاویٰ عزیزی ص ۱۸۱ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ۔

الٰہیہ ہیں اور آپ نے ایک رسالے میں صفاتِ اربعہ (حکمت، عفّت، وجاہت اور قطبیت باطنہ) کا اطلاق ائمہ اثنا عشر پر کیا ہے، اس تخالف کی کیا توجیہ ہے اس کے جواب میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ صفات:[علہ]

نزد صوفیہ معانی اصطلاحیہ دارند	صوفیہ کے یہاں اصطلاحی معنے رکھتے
خصوصاً در کتب مصنّفہ حضرت والدِ	ہیں، خاص طور پر والدِ ماجد قدس سرہٗ
ماجد قدس سرہٗ مفصّل مذکور اند	کی تصانیف میں بتفصیل ان کا ذکر ہے
..... وشرح اعتصام از تصانیف	..... اور شرح اعتصام جو شاہ محمد عاشق
شاہ محمد عاشق پھلتی قدس اللہ سرہٗ	قدس اللہ سرہٗ کی کتابوں میں سے ہے اگر
اگر بہم رسد دانی وکافی ست۔	مل جائے تو اس موضوع پر دانی وکافی ہے

شاہ صاحب کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصطلاحات صوفیہ کے معانی ومفاہیم پر بھی اس کتاب میں عالمانہ ومحققانہ گفتگو کی گئی ہے۔

اس کتاب پر شاہ ولی اللہؒ نے ایک منظوم تقریظ لکھی تھی، جسے صاحب نزہتہ الخواطر نے نقل کیا ہے۔[علہ۲]

لیسنك ما اوفیت ذروة حقه	من الفحص والتفتیش والفهم والفكر
وبحثك عن طے العلوم ونشرها	ونظمك اصناف الجواهر والدرر
وحفظك للرمز الخفی مكانه	وخوضك بحر اذا خرا ایما بحر
فلله ما اوتیت من حلل المنی	ولله ما اعطیت من عظم الفخر

سبیل الرّشاد یہ کتاب بھی افسوس ہے کہ نہ ہماری نظر سے گزری اور نہ اس کے مخطوطات ہی کا علم ہو سکا کہ کہاں کہاں ہیں؟ اس کا تفصیلی[علہ۳] ذکر بھی حُسنِ اتّفاق سے شاہ عبدالعزیز نے فرمایا ہے، ایک صاحب نے درود اور سیّد الاستغفار کے متعلق دریافت کیا تھا، اس کے جواب میں سیّد الاستغفار

علہ فتاویٰ عزیزی ص۱۸۱ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ۔

علہ۲ نزہتہ الخواطر الجزء السادس ص۳۲۹۔ علہ۳ ویسے شیخ محسن ترہتی نے بھی یانع الجنی میں لکھا ہے کہ سلوک میں ان کی مشہور کتاب ہے ص۹۴۔

کے سلسلے میں لکھتے ہیں عله؛

سید الاستغفار در کتاب سبیل الرشاد مذکور است و تمام آں جواہر نفیسہ است ..... و آں کتاب گویا خلاصہ سلوک طریقۂ خاندان ماست خصوصاً فوائد سلوکیہ از حضرت والا ما بسوئے طالبان و مریدان فیضان نمودہ در آں مجموعہ مندرج است حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہٗ کہ اجل خلفاء حضرت والد ماجد بودند آں را تالیف فرمودہ اند بقدر شش جزو باشد۔

سید الاستغفار کتاب سبیل الرشاد میں مذکور ہے اور پوری کتاب میں نفیس جواہر ہیں .... اور یہ کتاب گویا ہمارے خاندان کے سلوک طریقت کا خلاصہ ہے خصوصاً سلوک کے جو فوائد میرے والد نے طالبان طریقت اور مریدوں کو بتائے تھے اس مجموعہ میں درج ہیں حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہٗ نے جو والد بزرگوار کے سب سے بڑے خلیفہ تھے یہ کتاب لکھی ہے، چھ جز کے قریب ضخامت ہے۔

پیر مرتضیٰ خاں رام پوری (خلیفہ سید احمد شہید) نے اپنی کتاب عله دافع الفساد ونافع العباد کے مقدمہ میں اپنے مآخذ میں سبیل الرشاد کا بھی نام لکھا ہے۔ (ص۳) اور تین مقامات پر ایک ہی عبارت کا اردو ترجمہ دیا ہے (ص۵۹، ص۶۳، ص۷۴) چوں کہ اس کتاب کا کوئی اقتباس یا اس کا ترجمہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا اس لیے تبرکاً یہ ترجمہ نقل کرتے ہیں:

"شیخ محمد عاشق پھلتی کہ خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے تھے اپنے رسالہ سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں جو کوئی شخص یا اللہ یا اللہ یا اللہ اپنی زبان سے پڑھے اور ملاحظ کرے پڑھنے کے وقت میں کہ ایک نور اس کے موہنہ سے باہر آتا ہے یعنی پڑھنے والے کے، جب قریب تین لاکھ کے

عله فتاویٰ عزیزی ص۱۸۳ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

عله مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک ۱۲۸۴ھ۔

پورا کرے اس شخص کے تئیں ایک مناسبت ساتھ حقیقت اس اسم کی کہ بیچ عالم ملکوت کی جگہ پکڑنے والی ہے، ظاہر ہوتی ہے۔"

شیخ محمد محدث تھانوی اپنی کتاب ارشاد محمدیؐ[1] میں درود شریف اللّٰھم صلّ علیٰ من منه الشققت الاسرار کے ورد کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا ورد کرنا بہت فائدہ رکھتا ہے۔ خصوصاً پڑھنا صبح وشام، ادنا مرتبہ تین تین بار صبح وشام اور پچھلے کو، حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی علیہ الرّحمۃ نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے اور فقیر کا مجرب ہے۔"

مکتوبات شاہ ولی اللہؒ شاہ محمد عاشق کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے جہاں شاہ صاحب کی دوسری تحریریں محفوظ کیں وہاں ان کے مکاتیب جو خواہ وہ سیاسی نوعیت کے ہوں خواہ ذاتی یا علمی محفوظ کرنے کا اہتمام کیا یہ کام انھوں نے شاہ صاحب کی زندگی ہی میں شروع کر دیا تھا۔ ابتداءً یہ کام ان کے صاحب زادے شاہ عبدالرحمٰن کے سپرد تھا جنھوں نے اپنی وفات ۱۱۶۸ھ تک مکاتیب شاہ کی جمع و ترتیب کی اور ۲۸۱ مکاتیب جمع کر لیے تھے۔ ان کی وفات کے بعد شاہ محمد عاشق نے یہ کام خود سنبھالا اور مزید ۷۷ خطوط جمع کر کے ۳۵۸ مکاتیب کا ایک قیمتی مجموعہ مرتب کر دیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے ممکن ہے کہ شاہ صاحب سے بھی مکاتیب کی نقول حاصل کی ہوں اور مکتوب الیہم سے بھی، چنانچہ شاہ ابوسعید رائے بریلوی کے نام ایک خط کا اختتام اس طرح کرتے ہیں:[2]

دیگر التماس آں کہ خطے کہ حضرت میاں صاحب بایشاں نوشتند نقل آں برداشتہ بایں فقیر عنایت فرمایند	ایک اور گزارش یہ ہے کہ حضرت میاں صاحب نے جو خط آپ کو لکھا ہے اس کی نقل کر کے مجھے بھیج دیں اسی

---

[1] مطبوعہ محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸ھ۔

[2] مکتوبات المعارف۔

وہمہ چنیں نقل خطوط سابقہ نیز مرحمت فرمایند دریں باب ہرگز تغافل تجویز نہ نمایند۔

طرح سابقہ خطوں کی نقلیں بھی بھیجیں اور اس بارے میں غفلت کو ہرگز روا نہ رکھیں۔

شاہ ابو سعید اس فرمایش کے جواب میں کچھ عرصہ بعد شاہ ولی اللہؒ کے مکاتیب لے کر پھلت پہنچے اس وقت شاہ ولی اللہ کا وصال ہو چکا تھا اور شاہ محمد عاشق دہلی آئے ہوئے تھے شاہ ابو سعید نے انھیں اپنے پھلت پہنچنے کی اور مکاتیب ساتھ لانے کی اطلاع دہلی بھیجی تو اس کے جواب میں کس مسرت و ممنونیت کے ساتھ لکھتے ہیں:

واز مژدۂ آں کہ مکاتیب فیض اسالیب حضرت قبلہ ام رضی اللہ عنہ ہمراہ شریف آوردہ اند بغایت شادی رو داد شکر ایں عنایت بکدام زباں نمودہ آید کہ از احصا خارج ست، زیادہ بجز التماس ایں کہ بخاطر جمع درآں جا تشریف دارند ایں فقیر زود می رسد

اور اس خوش خبری سے کہ آپ اپنے ساتھ میرے قبلہ رضی اللہ عنہ کے مکاتیب بھی لیتے آئے ہیں، بڑی ہی خوشی ہوئی اس عنایت کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے جو بے حساب ہے اور کیا لکھوں آپ اطمینان سے پھلت میں تشریف رکھیں میں بہت جلد پہنچ رہا ہوں۔

یہ مجموعہ مکاتیب مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کے کتب خانے میں ہے۔ ہنوز غیر مطبوعہ ہے اس میں سے سیاسی نوعیت کے ۴۲ مکاتیب جناب خلیق احمد نظامی نے "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" کے نام سے شائع کر دیے ہیں، خدا کرے بقیہ مکاتیب بھی جلد شایع ہو جائیں، جناب نظامی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اور غیر سیاسی مکاتیب کے جو اقتباسات دیے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کی حیات کے سلسلے میں بھی یہ خطوط بڑے معلومات افزا ہیں۔

متفرق تحریریں

مقدمۂ خیرِ کثیر شاہ ولی اللہؒ کی معروف کتاب الخیر الکثیر کا جو مخطوطہ ہمارے کتب خانے (برکات اکادمی کراچی) میں ہے اس کے آغاز میں شاہ محمد عاشق کا ایک مقدمہ ہے جو مختلف اعتبارات سے بہت اہم ہے۔

اولاً شاہ محمد عاشق کی تحریریں ہی نایاب ہیں ان کی کئی کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب بھی نہ صرف یہ کہ مطبوعہ نہیں ہے بلکہ ان کے مخطوطات بھی کم یاب ہیں۔ اس لیے یہ تحریر ہمارے لیے تبرک کی حیثیت رکھتی ہے۔

ثانیاً اس تحریر سے شاہ ولی اللہ کی ذات سے ان کی شیفتگی اور ادبیاتِ شاہ سے ان کے شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

ثالثاً شاہ صاحبؒ کی بعض تالیفات کے عہد تالیف کا تعین ہوتا ہے

رابعاً اس تحریر سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے تحریری کارناموں کے سرانجام پانے میں شاہ محمد عاشق کا کتنا ہاتھ تھا اور ان کا تعاون شاہ صاحب کو حاصل نہ ہوتا تو ادبیاتِ شاہ اس شکل میں شاید ہمارے سامنے نہ ہوتے۔

ذیل میں متن کو طوالت کے خوف سے حذف کر کے اس کا آزاد ترجمہ اور خلاصہ پیش کرتے ہیں:

حمد و نعت کے بعد — اللہ تعالیٰ جب کسی فردِ کامل کو اپنے علوم و اسرار کی مظہریت کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اس فرد سے ان علوم و اسرار کا ظہور، علوم رسمیہ کسبیہ کے طرز پر نہیں ہوتا بلکہ وہ علوم حسبِ واردات و تقریبات بروز کرتے ہیں۔ کبھی مخاطبت کے اسلوب میں کبھی عربی میں کبھی فارسی میں کبھی رمز و اشارت میں کبھی بسط و تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک اصطلاح میں

کبھی دوسری اصطلاح میں ، ایک ہی مطلب و معنی کی ایک ہی رُوپ میں تکرار ہوتی ہے، کبھی روپ بدل دیا جاتا ہے، اس لیے ان علوم و اسرار سے استفادہ اور استفاضہ کے آداب یہ ہیں کہ جن اوضاع و اسالیب میں ان کا صدور و ظہور ہوا ہے، ان نفحات الٰہیہ اور واردات غیبیہ سے تعرض اس وضع و شکل میں کیا جائے اور بغیر کسی تصرّف کے ان کی حفاظت کی جائے، اس دور میں اس مقام (کاملیت) پر فائز ..... شیخ ولی اللہ کی ذات والا ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "زکی" اور "حکیم ہٰذہ الامت" خطاب مرحمت فرمایا اور آپ کے علوم و اسرار درحقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و اسرار ہیں اور ان کی محافظت، ارشاد گرامی نضر اللہ امرأً سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا کما سمعھا کی بشارت میں شمول کا باعث ہے، اس کمترین خاک بوسانِ آستانہ ولیہ احمدیہ فقیر محمد عاشق ملقب بہ علی ابن شیخ عبید اللہ بارہوی پھلتی پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و الطاف میں سے ایک یہ ہے، جسے صرف تحدیث نعمت کے لیے لکھتا ہوں بدشعور سے میرے دل میں شاہ صاحب کی عقیدت راسخ کردی گئی اور ظہور اسرار کے آغاز سے مجھے تخصیص خطاب کا شرف عنایت ہوا چنانچہ حضوری میں مکالمہ کے اور دوری میں مراسلہ کے وسیلہ سے خطاب سے مشرّف ہوتا رہا یہاں تک کہ اگر میں اس بات کی قسم کھالوں تو انشاء اللہ حانث نہیں ہوں گا کہ آپ کے جس قدر علوم و اسرار کا خصوصاً تصوّف کے باب میں ظہور ہوا ہے وہ میرے لیے ہُوا ہے اور مجھ سے خطاب و گفتگو میں ہُوا ہے ان میں سے اکثر معارف ایسے ہیں جن میں اس خاکسار کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے اور کسی تحریر کا مخاطب اگرچہ بظاہر دوسرا بھی ہے مگر جیسا کہ آپ ہی کا عربی شعر ہے۔

وانی وان خاطبت الف مخاطب	میرا روئے سخن چاہے ایک ہزار کی طرف
فانت الذی اعنی وانت المخاطب	ہو مگر اصل مقصود و مخاطب تم ہی ہوتے ہو۔

اس تخصیص سعادت کے پیشِ نظر مجھے ان کلمات کی توفیق ہوئی، چنانچہ یہ

اگر کتب و رسائل کے مسودات کی شکل میں تھے تو انھیں مبیض کیا۔

رقعات و مکاتیب کی شکل میں اور متفرق و منتشر تھے تو انھیں مدوّن کیا اور مستقل رسائل کی شکل دی۔

تقاریر مجالس کو قلمبند اور شیرازہ بند کیا۔

افاضات باطنی جو بے قید تحریر و خطاب میرے آئینۂ قلب پر منعکس ہوئے تھے انھیں عربی یا فارسی میں قلم بند کر کے تصویب کے بعد مدوّن و ضبط کیا مختصر یہ کہ الحمدللہ ایک کلمہ بھی حتیّ المقدور ضائع نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ آپ ہی نہیں آپ کے بعض اصحاب کے احوال و اقوال بھی جتنے ہو سکے جمع کر لیے اور اس مہم میں ایک عمر صَرف کر دی اور بحمداللہ اس جمع اور تالیف میں قضائے شوق کے سوا اور کچھ منظور نہ تھا۔

اب ۱۶۱۱ھ میں یہ ارادہ کیا ہے کہ تصوّف پر ان تمام رسالوں کو ایک جلد میں جمع کر کے ایک کلیّات مرتّب کر دوں۔

اس عزم کی تکمیل سے قبل مندرجۂ بالا سطور جب آں محترم کی نظر سے گزریں تو غایت انشراح و انبساط خاطر کے عالم میں، بڑے اہتزاز کے ساتھ بندہ نوازی فرمائی اور حسب ذیل کلمات تحریر فرما کر مجھے اعزاز و امتیاز کا شرف بخشا۔

منکم بدء الامر وثنینا وھذا امر منکم بدءہ والیکم یعود وذلک کلمۃ وکنتم احق بھا واھلھا وحق الرب المعبود۔

تمھیں سے آغاز و انجام ہے، اس کام کی ابتدا بھی تم نے کی ہے اور انتہا بھی تم پر ہوگی، ان کے تم ہی سب سے سوا مستحق اور اہل ہو، بخدا،

خدایا تو ہی جانتا ہے کہ میں اس بے اندازہ نعمت کے شکرانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

پھر میں نے طے کیا ہے کہ میں اس کلیّات میں تقریباً بیس رسائل جمع کردوں اور ان کی ابتدا الخیر الکثیر سے کرتا ہوں کہ اسی کی مستحق ہے۔

مکتوب مکتوبات المعارف میں شاہ محمد عاشق کے چھ مکتوب ہیں، ان میں سے پہلا مکتوب یہاں نقل کیا جاتا ہے :

سیادت و نقابت مرتبت خلاصہ مردماں، حقائق و معارف آگاہ فضائل دست گاہ میر ابو سعید جیو سلمہٗ اللہ تعالےٰ بعد از سلام اشواق التیام از فقیر محمد عاشق مشہود ضمیر معارف تخمیر باد کہ الحمد للہ علی العافیتہ و سئل اللہ تعالےٰ ان یدیم لنا ولکم ایایا ہا اشفاق نامہ کہ بمیاں شاہ نور اللہ جیو و فقیر ارقام فرمودہ بودند در ورود تو ونمود الحال کہ فقیر بجہت تحصیل شرف ملاقات ملازمت حضرت قبلۂ کونین مدّ اللہ ظلہم العالی رسید عرضی ایشاں راکہ بجناب حضرت ارسال داشتہ بو دند مطالعہ نمود د مواجید خاصہ کہ بفضل الٰہی نصیب ایشاں شدہ ملاحظہ کردہ و ایں معنیٰ موجب نہایت خوشی وشادی گردید و حمد الٰہی و شکر وے تعالےٰ بجاآورد واللّٰہم زد فزد ثم زد، ان شاء اللہ تعالےٰ بعد وصول وطن نیاز نامہ بخدمت خواہد نوشت امید کہ بدعائے خیر یاد دارند زیادہ چہ التماس نماید، والسّلام میاں محمد عتیق جیو سلام مطالعہ نمایند از محمد فائق سلام مطالعہ باد ۔"

المصفی پر شاہ ولی اللہؒ نے موطا، امام مالک کی ایک شرح عربی میں المسویٰ کے نام سے لکھی تھی اور اس کے بعد المصفی فی احادیث الموطا کے نام سے فارسی میں ایک اور شرح لکھی تھی، یہ شاہ صاحب کی زندگی میں مبیض نہیں ہو سکی تھی، یہ کام شاہ محمد عاشق کی نگرانی میں انجام کو پہنچا، چنانچہ شاہ محمد عاشق نے اس کی روداد قلمبند کی جو المصفی کے آخر میں[1] درج ہے۔

امّا بعد فقیر محمد عاشق بر ضمیر صفا پذیر طالباں صادق واضح می گردانند کہ چوں ایں کتاب مصفی شرح موطا امام مالک از قلم فیض رقم حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہٗ دارضاہ بہ تسوید رسید بسبب اشتغال باشغال دیگر توجّہ بترتیب وتہذیب آں مسودات مبذول نشد و مدتے غیر مرتّب ماند ہرچہ گوشہ، خاطر مبارک باں طرف ہمیشہ مصروف بود لیکن صورت نمی گرفت تا آں کہ رُوح پر

---

[1] مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ، ہم نے یہ عبارت الرحیم فروری ۱۹۶۶ء سے نقل کی ہے، مقالہ مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی حیدرآباد سندھ۔

فتوح ایشاں بملا اعلیٰ پرواز فرمود چوں ایں واقعہ رونمود کسے را از
عقیدت منداں ہوش نماند کہ بتفحّص آں اوراق پردازد تا بعد مدّت پنج
یا شش ماہ صالحے حضرت ایشاں را در خواب دید کہ گویا می فرمایند بہ
ترجمہ موطا شوق بسیار دارم و اظہار شغف باں می فرمایند آں عزیز نزد
کاتب حروف آں بشری نمود از ہماں وقت شغفے معلّق بترتیب و تبیض
آں مسودات بخاطرم افتاد و نزد حافظ کلام رب العالمین خواجہ محمد امین
ولی اللّٰہی کہ تلمیذ خاص و محرم باختصاص جناب حضرت ایشاں بود شغفِ
خود را اظہار نمودم ایشاں مسودات را بیروں آوردہ کتاب مسوی
پیش رو نہادہ ترتیب و تبییض گرفتند و مدّتے جہد بلیغ نمودہ تا حسنِ
انتظام یافت و ثامن عشر شوّال یوم الاحد عند اربعۃ النہار ۱۱۷۹
تسع و سبعین بعد الالف والماۃ مرتّب و مہذّب گردید، الحمد للّٰہ علی
ذالک حمداً کثیراً ؎

شاہ ولی اللہؒ کے فرزند گرامی

شاہ محمّد دہلوی

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ایک گم نام فرزند

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فرزند گرامی کی تعداد عموماً چار بتائی جاتی ہے، حال آں کہ یہ تعداد چار نہیں پانچ ہے، ان میں سب سے بڑے شاہ محمد دہلوی تھے جو باقی چار بھائیوں سے مختلف البطن تھے اور ان کا ذکر شاہ عبد العزیز دہلوی، نیز شاہ محمد عاشق پھلتی، شاہ ابوسعید رائے بریلوی (مرید شاہ ولی اللہ) اور میر سیّد محمد نعمان چشتی (مرید شاہ ولی اللہؒ) کے متعدّد مکاتیب میں[1] ہے۔ جن سے زیادہ کوئی معتبر و مستند شاہد ان کے وجود کا نہیں ہو سکتا۔ پھر گزشتہ صدی کے کئی معتبر مورخین نے صراحت و وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، مثلاً مولوی محسن بن یحییٰ الترہتی (الیانع الجنی تالیف ۱۲۸۰ھ) میں لکھتے ہیں۔[2]

وکان لعبد العزیز اخ اقدم منه	شاہ عبد العزیز کے ایک بھائی (اور بھی)
سناً اسمهٗ محمّد وکان اخاً لابیه	تھے جو ان سے عمر میں بہت بڑے تھے
اخذ عن ابیه وهو ایضاً قدیم	ان کا نام محمد تھا وہ شاہ عبد العزیز کے

[1] ملاحظہ ہو "مکتوب المعارف" (مطبع انوار العلوم سہارنپور) ص ۶۲ برحاشیہ کشف الاستار۔

الوفاۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ اخیافی بھائی تھے، انھوں نے اپنے والد (شاہ ولی اللہ) سے تعلیم حاصل کی تھی اور ان کی وفات بھی شاہ عبدالعزیز سے بہت پہلے ہوئی تھی، ان پر خدا کی رحمت ہو۔

عبدالرحیم ضیا نے مقالات طریقت (تالیف ۱۲۹۰ھ) میں شاہ عبدالعزیز کے متوسل نصراللہ خاں خویشگی خورجوی کی روایت سے ان کا حال لکھا ہے:[1]

"حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے اپنے ماموں کی دختر سے نکاح کیا تھا، ان سے مولوی محمد صاحب پیدا ہوئے، آپ بڑے ولی کامل تھے، آپ پر جذب غالب تھا، مولوی نصراللہ خاں خورجوی کہتے ہیں کہ ایک وقت مولوی محمد صاحب پرانی دہلی میں چلے جاتے تھے ایک مجذوب برہنہ پر نظر پڑی، آپ ان کو بے ستر دیکھ کر چیں بجبیں ہوئے اس مجذوب نے کہا آج میرا جی کسی بڑے مولوی پر سوار ہونا چاہتا ہے آپ نے کہا میرا جی کسی بڑے فقیر کا گوشت کھانا چاہتا ہے۔ مجذوب نے کہا اے مولوی کیا کہتا ہے! آدمی کا گوشت درست نہیں چہ جائے کسی فقیر کا۔ آپ نے کہا اے فقیر! یہ کیا کہتا ہے، آدمی پر سوار ہونا کب درست ہے؟" فقیر نے کہا میری مراد سوار ہونے سے اس کو فیض دینا ہے، مولوی صاحب نے کہا میرا مطلب گوشت کھانے سے فیض لینا ہے، مجذوب نے کہا بسم اللہ آیئے۔ آپ نزدیک گئے، یہ شعر اس مجذوب نے آپ کو سنایا۔

کارے نساختیم ددمیدن گرفت صبح
ادجی چراغ خانہ بافسانہ سوختیم

اس وقت آپ کو جذب ہوا انتہا تک رہا۔"

شاہ رفیع الدین دہلوی کے نواسے مولوی معزالدین دہلوی کے پوتے مولوی ظہیرالدین

---

[1] ص ۱۴ مقالات طریقت مطبوعہ تہنیت کرتان پریس حیدرآباد دکن ۱۲۹۱ھ۔

سید احمد ولی اللٰہی ۱۳۱۲ھ میں لکھتے ہیں[1]

"شاہ ولی اللہ صاحب کا پہلا عقد شیخ عبید اللہ صاحب پھلتی کی صاحبزادی شیخ محمد عاشق پھلتی کی بہن کے ساتھ ۱۴ سال کی عمر میں ہوا تھا۔"

شاہ صاحب کی ان پہلی اہلیہ کا نام فاطمہ تھا[2]۔ مولوی سید احمد کا بیان[3] ہے کہ " ان (فاطمہ) سے ایک صاحب زادے ہوئے شیخ محمد صاحب "۔

مولوی سید عبد الحیٰ کا بیان[4] ہے کہ

(وقرأ) شمائل ترمذی سماعاً علیه بقراءة اخیه الشیخ محمد"

شاہ عبد العزیز نے اپنے والد سے شمائل ترمذی اپنے بھائی شیخ محمد کی قرات سے پڑھی تھی۔

ان معتبر روایات اور مستند بیانات کی روشنی شاہ محمد کے وجود میں کسی شک اور احتمال کی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ شاہ محمد ہی کی وجہ سے بعض مقامات پر شاہ ولی اللہ کی کنیت "ابو محمد" بھی نظر سے گزری ہے، چنانچہ الارشاد الی مہمات الاسناد (مطبع احمدی دہلی) کے سرورق پر شاہ ولی اللہ کی کنیت ابو محمد درج ہے۔ صفحہ ۲ پر "ابو محمد" پر حاشیہ ہے جس میں ہے:۔

ولهٗ ولدٌ قبل مولینا عبد العزیز مسمّیٰ بمحمد فكنیٰ بابی محمد۔

شاہ عبد العزیز سے پہلے (بڑے) آپ کے ایک اور صاحب زادے محمد تھے، اس لیے کنیت ابو محمد ہے۔

شاہ محمد کی ولادت دہلی میں ہوئی اور ممکن ہے آپ کی خاندانی روایت کے مطابق اپنے ننہال پھلت میں ہوئی ہو۔ کیوں کہ شاہ ولی اللہ، شاہ اہل اللہ وغیرہ کی ولادت بھی پھلت میں ہوئی تھی۔ سن ولادت کی کہیں صراحت نظر سے نہیں گزری، انھیں

---

[1] ص۴۳ تاویل الاحادیث، مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ۱۳۱۲ھ۔ [2] ارباب پھلت و اخلاف شاہ محمد عاشق کے خاندانی قلمی شجرے سے۔ [3] دہلی اور اس کے اطراف ص۶۵ مولوی سید عبد الحیٰ، طبع دہلی۔

[4] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص۲۳۸ طبع دکن، مگر ہمیں خود شاہ عبد العزیز کا ایسا کوئی بیان نہیں ملا، معلوم نہیں مولوی عبد الحیٰ نے کہاں سے یہ روایت نقل کی ہے؟

شاہ عبدالعزیزؒ سے "اقدم سناً" (عمر میں بہت بڑا) لکھا ہے، شاہ عبدالعزیزؒ کی ولادت شاہ ولی اللہؒ کی دوسری شادی، ۱۱۵۰ھ کے دو سال بعد ۱۱۵۹ھ میں ہوئی تھی، اس لیے ہو سکتا ہے کہ شاہ محمد اپنے والد کی پہلی شادی ۱۱۲۸ھ کے دو چار سال بعد ۳۰ - ۱۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے ہوں، تعلیم کے متعلق صراحت تو صرف شاہ ولی اللہؒ کے نام کی ہے، مگر آپ کے حقیقی ماموں شاہ محمد عاشق کا بھی آپ کی تعلیم و تربیت میں ضرور حصہ ہوگا۔

قیام زیادہ تر دہلی ہی میں رہا۔ شاہ ولی اللہؒ کے وصال کے وقت تک آپ دہلی ہی میں تھے[۱] شاہ صاحب کے وصال کے بعد کچھ عرصہ آپ لکھنؤ بھی چلے گئے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب اخون زادہ عبدالرحمٰن کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں[۲]

برادر صاحب بزرگ شاہ محمد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ در بلدۂ لکھنؤ چھاؤنی نواب افضل خاں صاحب می باشند بخیریت اند اکثر خطوط ایشاں می آیند خاطر جمع دارند۔

بڑے بھائی صاحب شاہ محمد صاحب لکھنؤ میں نواب افضل خاں کی چھاؤنی میں رہتے ہیں بخیر ہیں اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں، مطمئن رہیں۔

اسی مکتوب الیہ کے نام اپنے ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں[۳]

برادر صاحب کلاں حضرت شاہ محمد صاحب ہنوز در لکھنؤ توقف دارند خطوط ایشاں اکثر می آیند و خیریت ایشاں دریافت می شود بالفعل از چند ماہ ہمراہ نواب افضل خاں برادر نواب نجیب الدولہ مرحوم می باشند و نواب افضل خاں

بڑے بھائی حضرت شاہ محمد صاحب ابھی تک لکھنؤ میں قیام فرما ہیں، ان کے خطوط اکثر آتے رہتے ہیں اور خیر و عافیت معلوم ہوتی رہتی ہے آج کل چند مہینے سے نواب افضل خاں برادر نواب نجیب الدولہ مرحوم کے ساتھ

---

[۱] مکتوب المعارف (مکتوب مولانا محمد نعمان حسنی بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی)

[۲] فضائل صحابہ ص۲۶۲ طبع لاہور۔ [۳] فضائل صحابہ ص۲۶۳ طبع لاہور۔

خدمت ہم می کنند" | رہتے ہیں اور نواب افضل خاں خدمت بھی کرتے ہیں۔

اس خط میں نواب نجیب الدولہ کو مرحوم لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۱ء (وفات نواب) کے بعد کا ہے اور چوں کہ اس میں مکتوب الیہ کو شاہ عبدالغنیؒ کا سلام بھی لکھا ہے اس لیے ۱۷۸۸ء/۱۲۰۲ھ (وفات شاہ عبدالغنی) سے قبل کا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ شاہ محمدؒ صاحب ۱۷۷۷ء سے ۱۷۸۸ء کے درمیانی عرصے میں کم سے کم چند ماہ کے لیے لکھنؤ میں بھی رہے تھے۔

آخر میں آپ پھلت اور بڈھانہ منتقل ہو گئے تھے جو آپ کا ننھیال بھی تھا اور جس کے قریب ہی آپ کی خاندانی جاگیر بھی تھی۔

آپ متاہل بھی ہوئے تھے، دو صاحب زادے بھی تھے مگر غالباً ان سے نسل نہیں چلی۔

وفات ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۴ء کو بڈھانہ میں ہوئی، آپ کا اور آپ کے دونوں فرزندوں کے مزار بڈھانہ کی جامع مسجد سے متصل ہیں۔[1]

شاہ عبدالعزیزؒ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پہلی شادی شاہ عبیداللہ پھلتی کی صاحب زادی اور شاہ محمد عاشق کی بہن سے ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۷ء میں ہوئی تھی، ان سے شاہ محمدؒ پیدا ہوئے جو آپ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔[2]

شاہ محمد کی والدہ کے وصال کے بعد، شاہ صاحب نے ۴۳ سال کی عمر

---

[1] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص۴۲۳ مقالات طریقت ص۱۴۔ [2] شاہ محمد دہلوی پر ہم نے ایک مقالہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کے اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۶۵ء میں پڑھا تھا جو ماہ نامہ فاران کراچی ۱۹۶۴ء میں شایع ہوا اور فاران سے برصغیر کے ایک درجن سے زیادہ علمی و دینی مجلات نے نقل کیا اور اب شاہ ولی اللہ چار کے بجائے پانچ فرزند تسلیم کر لیے گئے ہیں۔

میں سیّدہ ارادت بنت سید ثناء اللہ سونی پت سے ۱۱۵۰ھ/۱۷۴۶ء میں دوسرا عقد کیا جن کے بطن سے چار صاحب زادے اور ایک صاحب زادی تولّد ہوئیں، ان صاحب زادوں میں سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز تھے۔

شاہ صاحبؒ کی ولادت ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۸ء میں ہوئی جب کہ شاہ ولی اللہ کی عمر ۴۵ سال ہو گئی تھی، خود شاہ عبدالعزیز کا بیان [۲] ہے کہ ان کا عُرف "مسیتا" تھا اور "وجہ تعریف" یہ فرمائی تھی کہ "مجھ سے پہلے (اور شاہ محمد کے بعد) میرے والدین کے بہت سے بچے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اس لیے والدین اور اعزّہ کو اولاد کی بڑی آرزو تھی، چنانچہ میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور اولیا، مسجد میں معتکف تھے جب میں پیدا ہوا تو غسل کے بعد مجھے مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا گویا خدا کی نذر کر دیا گیا، پھر ان معتکف بزرگوں نے مجھے محراب سے اٹھا کر اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے میرے والدین کو بخش دیا۔" تعلیم و تربیت والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی، والدِ ماجد ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے [۳] چچا شاہ اہل اللہ بھی تربیت میں حصّہ لیتے تھے، مریضوں کو دیکھنے گھر سے باہر جاتے تو ان کو ساتھ لے لیتے [۴]

اس طرح تعلیم میں مصروف تھے کہ عمر کے سترھویں سال میں والد وفات پا گئے [۵] اس لیے تعلیم کی تکمیل خواجہ محمد امین، شاہ محمد عاشق اور شیخ نور اللہ بڈھانوی سے کی [۶]

حصولِ تعلیم سے فراغت کے بعد والد کی مسندِ درس و ارشاد و افتا کو زینت دی۔ اور تقریباً ساٹھ سال اپنے زبان و قلم سے دین و طالبانِ علومِ دین کی خدمت کرتے رہے۔

روزانہ صبح قریب طلوعِ آفتاب ایک رکوع قرآن شریف سُنا کرتے تھے، اس

---

۱ سید احمد دہلوی نے سیّد حامد لکھا ہے۔ تاویل ص۵۵ ۔ ۲ ملفوظات عزیزی ص۱۰۹ ۳ ملفوظات ص۱۳
۴ ملفوظات ص۱۳ ۵ مجالۂ نافعہ ۶ مقالات طریقت ص۲۸ ۷ ایضاً صفحہ ۲۹ ؛ ۸ فاتحہ سوم شاہ ولی اللہ خان دوراں کے محل کلاں میں ہوا تھا۔ رسم دستار بندی (شاہ عبدالعزیز) میں تین چار پیچ مولانا فخر صاحب نے باندھے تھے، جناب مرزا مظہر جانِ جاناں بھی شریکِ محفل تھے۔ مقالات طریقت ص۲۸ ۔ ایضاً ص۲۹ ؛ فاتحۂ سوم شاہ ۔۔۔۔۔۔

کے قاری شاہ اسحٰق ہوتے تھے۔ جمعہ اور منگل کو قرآن شریف کا درس بطور وعظ کرتے تھے۔ اس میں ہزاروں آدمی ہوتے تھے"[۱] کسی خاص طریقے میں عام طور پر بیعت نہ فرماتے تھے، اپنے اعزہ خصوصاً شاہ مخصوص اللہ، شاہ اسمٰعیل، شاہ یعقوب اور شاہ اسحٰق کو قادریہ میں بیعت کیا، امراء و سلاطین کو چشتیہ میں اور دوسروں کو نقشبندیہ میں بیعت کرتے تھے"[۲]

"جو طلبہ و علماء تیمناً و تبرکاً حصول اجازت کے لیے آتے تھے چہل قدمی کے وقت ان سے احادیث سنتے تھے، کچھ بیان بھی کرتے تھے، اس قسم کے شاگرد بے شمار ہیں"[۳]

وفات "آپ بہت قلیل الغذا کثیر الامراض تھے، وفات سے کچھ پہلے غذا بالکل ترک کی مرض کی شدت تھی، وعظ کا دن آیا تو فرمایا مجھے پکڑے رہو بیان شروع کر دوں تو چھوڑ دینا ایسا ہی کیا گیا وعظ فرمانے لگے، آیۂ شریفہ "ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل" کا بیان کیا، اس کے مطابق نقد اسباب سب تقسیم کر دیا من بعد قرب ایک لاکھ روپے کے نقد اور دوسرا اسباب بیش قیمت جو رہا تھا اس میں سے چند ہزار روپے زادِ راہ سفرِ حجاز و حج شاہ اسحٰق و شاہ یعقوب کو عطا کیے چند ہزار مراسم وفات کے لیے دیے، پھر فرمایا میرا کفن اسی کپڑے کا ہو جو میں پہنتا ہوں، آپ کا کرتا ادھوتر کا اور پائجامہ گاڑھے کا ہوتا تھا، جنازہ کی نماز شہر کے باہر ہو، بادشاہ میرے جنازے پر نہ آئے، ۷ شوال یک شنبہ ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۳ء) وقت طلوع آفتاب وصال ہوا۔ پہلی نماز جنازہ ترکمان دروازے کے باہر ہوئی، امام شاہ اسحٰق تھے، بعد ازاں نصیر الدین صاحب شافعی لکھنوی کے مقبرہ میں نماز جنازہ ہوئی، کل ۵۵ بار نماز جنازہ ہوئی"[۴]

حلیہ "دراز قد، لاغر اندام، گندم رنگ، کلاں چشم، صاف جسم تھے گردا گرد چہرے کے لحیۂ مبارک خوشنما باعتدال تھی، اکثر جبہ اس کے تلے انگرکھا اور پاجامہ شرعی، دستار کشمشی، کلاہ پنبہ دار، رومال بینی پاک نیلا اور پاپوش

---

[۱] مقالات طریقت ص۲۹ [۲] [۳] [۴] مقالات طریقت ص ۲۸ و ص ۳۰ و ص ۴۰

زی اور ہاتھ میں عصا، سبز رکھتے تھے۔ [1]

جاگیر "تین موضع آپ کی جاگیر تھی، ان کی سند شاہ عالم بادشاہ (۵۹، ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء) اور دولت راؤ سندھیا نے گزرانی تھی، حسن پور اور مراد آباد پرگنہ سکندر آباد سے چاروں بھائیوں میں مشترک تھا اور ایک موضع محل مجنہ پرگنہ بڈھانہ (مظفر نگر) سے، بلا شرکت غیرے آپ کے تصرف میں تھا، چنانچہ وہ موضع اپنے دونوں نواسوں مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کو عطا کیا تھا، اب تک جاری ہے، مولانا نصر اللہ خاں (خورجوی) کہتے ہیں کہ میری عمل داری میں محل مجنہ کے سالانہ بارہ سو روپے کلدار ہوتے تھے اور اب بھی وہی ہے۔" [2]

"شاہ عبد العزیزؒ اور ان کے خاندان کو نجف خاں کے زمانے میں شدائد و مصائب اختیار کرنے پڑے، اس کا سبب شاہ صاحبؒ کا شیعیت کے خلاف قلمی جہاد میں حصہ لینا تھا، شاہ صاحب کی جائداد اور املاک ضبط ہوئی اور وہ شہر دہلی سے نکالے گئے۔ شاہ عبد العزیزؒ نے ۳۰ رجون ۱۸۰۷ء کو ایک درخواست ریذیڈنٹ دہلی کے توسط سے سیکریٹری پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو دی تھی کہ دہلی میں ان کی جائداد ضبط ہو چکی ہے، وہ واگزاشت کی جائے، اس درخواست کو قابلِ اعتنا سمجھا گیا چنانچہ کیفیت کے خانہ میں درج ہے: (ترجمہ عبارت انگریزی) ریذیڈنٹ دہلی نے جائداد منقولہ کے سپرنٹنڈنٹ کا خط اور نقل پیش کی اور سفارش پیش کی کہ حویلی پالم میں جو زمین پہلے شاہ عبد العزیزؒ کے پاس تھی وہ واپس ملنی چاہیے۔ شاہ عبد العزیز کی یہ درخواست منظور ہو گئی اور ۱۷ر جولائی ۱۸۰۷ء کو سیکریٹری پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ریذیڈنٹ کو اطلاع دی گئی کہ گورنمنٹ شاہ عبد العزیزؒ کی جائداد واگزاشت کرتی ہے۔" [3]

---

[1] مقالات طریقت ص۱۳ [2] ایضاً ص۲۶

[3] پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ فضائل صحابہ اہل بیت ص۲۶ طبع لاہور، نواب غازی الدین خان کا بیان ہے کہ جب فرزندانِ شاہ ولی اللہ کی حویلی ضبط کر لی گئی تو مولانا فخر صاحب نے ان حضرات کو اپنی حویلی میں ٹھہرایا، غمخواری کی، حویلی واپس دلوائی اور اعزاز و اکرام کے ا مین واپس بھیجا۔" مناقب فخریہ مطبع احمدی دہلی ص۱۶ ۔

تصانیف تفسیر فتح العزیز، تحفۂ اثناعشریہ، سرالشہادتین، بستان المحدثین، عجالۂ نافعہ، حاشیہ القول الجمیل، سرالجلیل فی مسئلۃ التفضیل، وسیلۃ النجات، عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس، فیض عام، اصول مذہب حنفی، حاشیۂ صدرا، حاشیۂ میرزاہد رسالہ، حاشیۂ میرزاہد ملّا جلال، حاشیہ میرزاہد امور عامہ، تحقیق الرویا، میزان البلاغت، میزان العقائد، مایجب حفظہ للناظر، الاحادیث الموضوعہ، حاشیہ علی المقدمۃ السنیہ، النبراس شرح العقائد للنسفی، اعجاز البلاغۃ، نظام العقائد شرح ارجوزۃ الاصمعی، قران السعدین و ایضاح النیرین در ذکر شہادت امام حسینؓ، تضمین قصیدہ شاہ ولی اللہ فتاویٰ عزیزی۔ ملفوظات عزیزی۔

شاہ عبدالعزیز نے تحفۂ اثناعشریہ کی تالیف سنہ ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۹۰ء میں مکمّل کی اور اس کی اشاعت ۱۲۱۵ھ/ ۱۷۹۹ء میں کلکتہ سے ہوئی تھی اور اس کے فوراً بعد تحفہ کی عبارت میں تحریف کے سلسلے کا آغاز ہوگیا۔ ایک معتقد نے ایک ایسی ہی محرفہ اور خلاف عقیدۂ اہلِ سنّت عبارت تحفہ کے ایک نسخے میں دیکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھ کر خلش دور کرنے کی درخواست کی تو شاہ صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا کہ :-

"و تعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہٗ ازیں فقیر واقع نشدہ اگر نسخۂ از تحفہ اثناعشریہ یافتہ شد الحاق کسے خواہد بود کہ بنابر فتنہ انگیزی وکید ومکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رفضہ از قدیم برہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند اللہ خیر حافظا و ایں تعریضات در نسخ معتبرہ التبتہ یافتہ نخواہد شد۔"

شاہ صاحب کی تفسیر فتح العزیز صرف سیپاروں کی طبع ہوئی ہے، اور مشہور یہی ہے کہ اتنی ہی لکھی تھی، لیکن ایک روایت[1] یہ ہے کہ

"آپ کے ایک شاگرد مولوی یار محمد صاحب نے آپ کے درسِ قرآن کے کئی دوروں پر اپنے مصحف پر حواشی لکھ لیے تھے، وہ ان کے فرزند مولوی محمد

---

[1] مقالات طریقت صفحہ ۳

اسحاق کے پاس موجود ہیں، یہ مکمّل قرآن مجید کی تفسیر ہے۔"

ایک اور روایت یہ ہے کہ "حاجی محمد حسین صاحب سہارن پوری سلمۂ اللہ تعالےٰ مولوی نور اللہ صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر چھپی نہیں۔" [1]

اخلاف

شاہ صاحبؒ کی شادی مولوی نور اللہ بڈھانوی کی صاحب زادی سے ہوئی تھی اور ان کے بطن سے تین صاحب زادیاں تولد ہوئیں اور تینوں شاہ صاحب کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

بڑی صاحب زادی کا عقد مولوی محمد عیسیٰ (فرزند شاہ رفیع الدین) سے ہوا تھا دوسری صاحب زادی کا مولوی محمد افضل لاہوری سے ہوا تھا۔ ان سے دو فرزند تولد ہوئے۔ شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب اور تیسری صاحب زادی کا نکاح مولوی عبد الحئی بڈھانوی سے ہوا تھا۔ جو شاہ صاحب کی اہلیہ کے بھتیجے (مولوی ہبتہ اللہ بن نور اللہ کے بیٹے) تھے، ان صاحب زادی سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور یہ بھی شاہ صاحب کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

شاہ محمد اسحاق کے ایک صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں تھیں، صاحب زادہ کا نام سلیمان تھا مگر وہ نوعمری ہی میں وفات پا گئے۔

ایک صاحب زادی (امۃ الغفور) ملّا عبد القیوم بڈھانوی سے بیاہی گئی تھیں ان سے ایک دختر اور دو صاحب زادہ (۱) حافظ مولوی یوسف اور (۲) حافظ مولوی محمد ابراہیم تھے، حافظ محمد یوسف لاولد رہے، حافظ ابراہیم کے ایک لڑکے حافظ محمد اسماعیل اور دو لڑکیاں (حبیبہ اور ام سلمیٰ) ہوئیں محمد اسماعیل کے

---

[1] مقالات طریقت ص۳۳

ایک فرزند ہیں، حافظ محمد احمد ان کے بھی ایک فرزند ہیں، حافظ مصطفٰے بھوپال میں مقیم ہیں، صاحب اولاد ہیں۔ ام سلمٰی مولوی قاضی محمد شعیب (بن قاضی محمد یحییٰ بن قاضی محمد ایوب پھلتی) کو بیاہی تھیں جن سے مولوی محمد زبیر صدیقی (بھوپال) ہیں صاحبِ اولاد ہیں، حبیبہ سیّد عباس علی کو بیاہی تھیں ان سے سیّد جعفر علی لاہور میں مقیم ہیں۔

شاہ اسحٰق کی دوسری صاحب زادی شاہ اہل اللہ کے پڑپوتے شاہ محتشم اللہ کو بیاہی تھیں، شاہ محتشم اللہ کے صرف ایک فرزند مولوی عبدالرحمٰن کا علم ہے۔ یہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے "المسوّیٰ" کا نسخہ انھی مولوی عبدالرحمٰن کے ورثا سے حاصل کیا تھا۔

شاہ صاحبؒ کی تیسری صاحب زادی شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سیّد نصیر الدین مجاہد (شہید ۱۸۴۰ء درغزنی) کو بیاہی تھیں، ان کے دو صاحبزادے تھے (۱) مولوی عبداللہ اور (۲) مولوی عبدالحکیم۔

شاہ یعقوب کی ایک دختر کا نکاح مرزا امیر بیگ سے ہوا تھا، ان کے صاحب زادے مولوی خلیل الرحمٰن تھے۔

شاہ رفیع الدّین دہلوی

ولادت ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء، وفات ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء

والد کی وفات کے وقت ۱۲/۱۳ سال کے تھے اور میبذی وغیرہ پڑھ رہے تھے، بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز ماموں شاہ محمد عاشق وغیرہ سے تحصیلِ علوم کی، شاہ عبدالعزیز اپنے ایک مکتوب[1] (۱۱۷۹ھ) بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی میں تحریر فرماتے ہیں: "رفیع الدین بفضلِ الٰہی تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے ہیں،

---

[1] مکتوب المعارف مطبع مطلع الانوار سہارن پور ۱۳۰۴ھ

ایک مجلس میں علما، و فقرا کے سامنے ان کے دستار تبرک باندھی گئی۔ اور درس کی اجازت دی گئی، الحمد اللہ بہت سے طلبہ ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔"

پھر جب شاہ عبدالعزیز نے اشتداد و عوارض اور اضمحلال قوا کی بنا پر تدریس ترک کر دی تو ان کے اسباق شاہ رفیع الدین ہی کے سپرد ہوئے اور مدرسہ کی صدارت کا بار آپ ہی نے اٹھایا اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک سرگرم افادۂ تدریس رہ کر ہزاروں فضلا پیدا کئے، شاہ رفیع الدین کو اپنے سب بھائیوں میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ دینیات کے ساتھ معقولات میں بھی کمال حاصل تھا۔ ملفوظات عزیزی میں شاہ رفیع الدین کے ریاضیات میں تبحر کے سلسلے میں کئی ملفوظ ہیں، ایک بار فرمایا کہ میرے ہزاروں شاگردوں میں سے مولوی رفیع الدین کو خاص مرتبہ حاصل ہے۔ ریاضیات میں تو انھیں موجد کا مقام حاصل ہے۔ ایک بار فرمایا" فنِ ریاضی میں مولوی رفیع الدین کی مثال ہند و ولایت میں نہیں ملے گی"۔ شاہ عبدالعزیز کی نظر میں شاہ رفیع الدین کا جو مقام رفیع تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں حملۃ العرش من وعن نقل کر دی ہے، ایک بار ایک ارادت مند نے عرض کی کہ میں نے خواب میں آفتاب کو غروب ہوتے دیکھا ہے، شاہ عبدالعزیز نے جواب دیا۔" آفتاب غروب تو ہو گیا شاہ رفیع الدین چل بسے"۔ [1]

شاہ رفیع الدین کو بیعت ارشاد شاہ محمد عاشق سے تھی کسی مجذوب کی نظر سے بھی فیض پایا تھا۔

شاہ صاحب نے تدریس و افتا کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف بھی مناسب توجہ فرمائی اور اگرچہ آپ کی تالیفات مبسوط و مطوّل نہیں ہیں بلکہ رسائل و مختصرات کے ذیل میں آتی ہیں لیکن اپنے مواد اور مشتملات کی نوعیت، ندرت موضوعات، اور متبحرانہ انداز بیان کی بنا پر وہ بڑی ہی بیش قیمت ہیں، شاہ صاحب کی تالیفات نثر میں بھی ہیں اور نظم میں بھی، عربی میں بھی، فارسی میں بھی

---

[1] ملفوظاتِ عزیزی صلا، صلا۔ صـ۹۲ مطبع مجتبائی میرٹھ۔

اور اردو میں بھی۔

اُردو:۔

(۱) ترجمۂ اردو کلام اللہ، یہ ترجمہ آپ نے تقریباً ۱۲۰۵ھ میں مکمل فرمایا تھا۔ مگر مولوی عبدالرحیم ضیا کا جو اسی دودمان گرامی کے منتسبین وخدام میں سے ہیں، بیان ہے کہ [1]

"ترجمۂ تحت لفظی قرآن بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔"

عبدالرحیم ضیا کے اکثر بیانات کو ہم نے تحقیق کے بعد مبنی بر حقیقت پایا ہے اس لیے ان کے اس انکشاف کو بھی ہم بے اصل اور ناقابل التفات تصور نہیں کر سکتے خصوصاً اس لیے بھی کہ اس خاندان کے اکثر علما کے ساتھ ایک گروہ — اہل حدیث نے یہ معاملہ کیا ہے اور ان کی تحریروں میں تحریف و تغیّر اور ان کی طرف اپنی مصنفہ کتابوں کو نسبت و شہرت دینے میں اس گروہ کو ید طولا حاصل ہے۔ ہم نے ایک مستقل مضمون میں ان تحریفات کی نشان دہی کی ہے۔

(۲) راہ نجات، ایک مختصر رسالہ (ضخامت ۳۲ صفحات) پہلی بار مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں شایع ہوا تھا۔

(۳) تفسیر رفیعی،[2] سورۂ بقر کی اُردو تفسیر ہے، جو شاہ صاحبؒ کے درس قرآن کی تقاریر پر مشتمل ہے یہ تقاریر شاہ صاحب کے مسترشد سید نجف علی معروف بہ فوج دار خاں نے قلم بند کی تھیں اور شاہ صاحب سے اصلاح بھی کروالی تھی، یہ تفسیر فوج دار خاں کے بیٹے سید عبدالرزاق نے ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں مطبع نقشبندی سے شائع کی، تفسیر پر سید عبدالرزاق نے جو پیش لفظ لکھا تھا، اس میں نہ صرف تفسیر رفیعی بلکہ ترجمۂ قرآن کے متعلق بھی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں شاہ صاحب کے نہیں ان کے والد — فوج دار خاں کے لکھے ہوئے ہیں۔

---

[1] ص۱۸ مقالات طریقت، معروف بہ فضائل عزیزی تالیف ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء۔

[2] مقالہ مولانا محمد عبدالحلیم چشتی، بنیات رمضان ۱۳۸۲ھ کراچی۔

والدِ بزرگوار میرے نے بخدمت ...... مولوی رفیع الدین رحمۃ اللہ کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں پھر آپ ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرمادیا کریں، چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا اسی صورت سے تفسیر سورۂ بقر کے بطور فائدوں کے تمام وکمال مفصل ومشرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا۔

مندرجہ بالا اقتباس سے عبدالرحیم ضیا کے اس بیان کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے جو ہم نے ترجمۂ قرآن کے سلسلے میں نقل کیا تھا، آپ محسوس کریں گے کہ ضیا کے بیان میں وزن ہے !!

فارسی :۔

(۱)۔ رسالہ اذانِ نماز، تالیف محرم ۱۲۲۰ھ

(۲)۔ رسالہ فوایدِ نماز۔

(۳)۔ حملۃ العرش۔

(۴)۔ شرح رُباعیات۔

(۵)۔ بیعت۔

(۶)۔ شرح چہل کاف، تالیف صفر ۱۲۲۰ھ

(۷)۔ شرح بُرہان العاشقین (رسالہ معما) تالیف ۱۳ رجمادی الآخری ۱۲۲۰ھ

(۸)۔ نذور بزرگان۔

(۹)۔ جوابات سوالات اثنا عشر۔

مندرجہ بالا ۹ رسائل ایک مجموعہ کی صورت میں مجموعۂ رسائل تسعہ کے نام سے مولوی سید ظہیر الدین ولی اللہی نے مطبع احمدی دہلی سے شایع کئے تھے، پھر سن ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۳ء میں مولانا عبدالحمید سواتی نے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شایع کیے ہیں۔

(۱۰)۔ مجموعۂ فتاویٰ شاہ رفیع الدین مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء و مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۳ء۔

(۱۱) ۔ آثار القیامت (قیامت نامہ) مطبوعہ

(۱۲) ۔ تنبیہ الغافلین، مطبع احمدی چھپرہ، ہوگلی کلکتہ

(۱۳) ۔ رسالہ سمت قبلہ ۔

(۱۴) ۔ رسالہ تعدیلات الخمستہ المتحیرہ ۔

عربی :۔

(۱) ۔ اسرار المحبۃ مطبوعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء تحقیق و تصحیح مولانا عبدالحمید سواتی[1] ۔

(۲) ۔ تفسیر آیۃ نور ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۴ء گوجرانوالہ تصحیح مولانا عبدالحمید سواتی۔

(۳) ۔ تکمیل الاذہان تالیف ۱۲۳۰ھ

(۴) ۔ مقدمۃ العلم

} مطبوعہ ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۵ء گوجرانوالہ تحقیق و تصحیح مولانا عبدالحمید سواتی۔

(۵) ۔ دمغ الباطل، شاہ ولی اللہ کے مکتوب مدنی کے جواب میں مولوی غلام یحیٰ بہاری ف ۱۱۸۰ء نے رسالہ کلمۃ الحق لکھا تھا، شاہ رفیع الدین نے کلمۃ الحق کے جواب میں دمغ الباطل تحریر فرمایا، اس رسالے کے مخطوطات سالار جنگ میوزیم دکن، رضا لائبریری رام پور اور کتب خانہ شروانی علی گڑھ میں ہیں۔

(۶) ۔ رسالہ فی اثبات شق القمر و ابطال براہین الحکمۃ

(۷) ۔ رسالہ فی تحقیق الالوان ۔

(۸) ۔ رسالہ فی الحجاب ۔

(۹) ۔ رسالہ فی برہان التمانع ۔

(۱۰) ۔ رسالہ فی عقد الانامل ۔

(۱۱) ۔ حاشیہ بر میر زاہد رسالہ ۔

(۱۲) ۔ الدرر الدراری ۔

---

[1] مولانا عبدالحمید سواتی کو ادبیات ولی اللہی سے خصوصی شغف تھا اور موصوف نے اس خاندان اور خصوصاً شاہ صاحبؒ کی متعدد کتب بڑی محنت و جانفشانی سے مرتب کر کے شایع فرمائی ہیں۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

(۱۳)۔ رسالہ فی المنطق۔

(۱۴)۔ رسالہ فی الامور العامہ۔

(۱۵)۔ رسالہ فی التاریخ۔

نظم:۔

(۱)۔ قصیدۂ عینیہ، در ردِّ قصیدۂ شیخ الرئیس۔

(۲)۔ قصیدۂ معراجیہ۔

(۳)۔ تخمیس بر قصیدہ شاہ ولی اللہ در بیان حقیقتِ نفس۔

۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں دہلی میں جو دبا ہیضہ پھیلی تھی، اس سے شاہ رفیع الدین بھی متاثر ہوئے جب مرض نے شدت اختیار کر لی تو شاہ عبدالعزیزؒ نے حفاظ کو سورۂ تبارک و یٰسین کی تلاوت کا حکم دیا جب وفات واقع ہوگئی تو عزیزوں کو تسلی دی اور خدام کو حکم کہ والدِ ماجد کے پائنتیں جو جگہ میں نے اپنے لیے مخصوص کی تھی، وہاں قبر تیار کرو جب جنازہ باہر آیا تو روتے ہوئے جنازہ کو کاندھا دیا اور نماز جنازہ ادا کر کے جنازہ کو رخصت کیا اور خود بعد میں (شاید سواری پر) مقبرہ پہنچے۔ قبر تیار ہو رہی تھی، جنازہ کے قریب والد کی قبر کے پاس مراقب ہوگئے، دفن کے بعد خود بھی مٹی دی اور فاتحہ پڑھ کر رخصت ہوئے، شہر آکر زنانے میں گئے، وہاں سے مدرسہ (مردانے) آگر لوگوں کو وداع کیا اور تلقین صبر کی اور فرمایا ان سے میرے چار رشتے تھے (۱) ایک حقیقی بھائی تھے (۲) والد مرحوم نے فرمایا تھا کہ یہ تیرا بیٹا ہے (۳) میری دایا کا انھوں نے بھی دودھ پیا تھا (۴) شاگرد تھے [1]

شاہ رفیع الدین ہی کی وفات پر شاہ عبدالعزیزؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم چاروں (حقیقی) بھائیوں کی رحلت میں ترتیب منعکسہ واقع ہوئی ہے۔ سب سے پہلے سب سے چھوٹے بھائی مولوی عبدالغنی گئے، ان کے بعد ان سے بڑے مولوی عبدالقادر ان کے بعد ان سے بڑے مولوی رفیع الدین۔ اب میری جو ان سب سے بڑا تھا۔ باری ہے۔" [2]

---

[1] ملفوظات عزیزی ص ۸۳ ۔ [2] ایضاً ص ۷۹ ۔

فاتحۂ سوم میں مجمع کثیر ہوگیا تھا، اکیاسی بار سے زیادہ کلام اللہ ختم ہوا، شاہ دہلی اکبر شاہ ثانی کی طرف سے شاہ زادہ سلیم دبابر وجواں بخت نے مجلس میں شرکت کی اور نذریں پیش کیں [1]۔

اخلاف

شاہ رفیع الدین کے چھ[2] صاحب زادے اور ایک صاحب زادی تھیں (۱) مولوی محمد عیسیٰ (۲) مولوی مصطفےٰ (۳) مولوی مخصوص اللہ (۴) مولوی محمد حسین (۵) مولوی محمد موسیٰ (۶) مولوی محمد حسن۔

مولوی محمد عیسیٰ کا عقد شاہ عبدالعزیزؒ کی بڑی صاحب زادی سے ہوا تھا، مولوی محمد مصطفےٰ کا عقد شاہ عبدالقادرؒ کی صاحب زادی زینب سے ہوا تھا، ان کی صاحب زادی کلثوم تھیں جو شاہ محمد اسماعیل کو بیاہی گئیں اور ان سے شاہ محمد عمر پیدا ہوئے مولوی محمد موسیٰ کے ایک صاحب زادہ عبدالسلام اور ایک دختر تھیں۔

مولوی محمد حسن کے ایک صاحب زادہ احمد حسن اور چند صاحب زادیاں تھیں، مولوی احمد حسن کی صاحب زادی مولوی علاء الدین پھلتی کو بیاہی تھیں، یہ بزرگ مولانا فضل اللہ الجیلانی (نبیرہ مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوہ) کے نانا تھے۔

شاہ رفیع الدین کی صاحب زادی امۃ اللہ کا عقد مولوی سید نجم الدین سونی پتی سے ہوا تھا، ان سے دو صاحب زادے تھے (۱) سید ناصر الدین اور (۲) سید نصیر الدین، سید ناصر الدین کے صاحب زادے سید معز الدین تھے اور سید معز الدین

---

[1] ملفوظات عزیزی ص۸۔

[2] دہلی اور اس کے اطراف ص۹۳ مقالات طریقت ص۱۸۔

کے صاحب زادے مولوی سید ظہیر الدین ولی اللہی تھے۔ جنھوں نے اپنے اسلاف کی بہت سی کتابیں شایع کر کے ان کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

مولوی سید نصیر الدین کا عقد، شاہ محمد اسحاق محدّث دہلوی کی دختر سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے تھے (۱) عبداللہ اور (۲) مولوی عبدالحکیم، یہ دونوں اپنے نانا شاہ محمد اسحاق کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے، اس لیے ان کے بعد کی نسلوں کے حالات سے ہم بے خبر ہیں۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ

ولادت ۱۱۶۷ھ / ۵۳-۱۷۵۲ء والد کی وفات کے وقت صرف ۹ برس کے تھے، اور صرف میزان پڑھتے تھے؛ علوم کی تکمیل شاہ محمد عاشق اور دوسرے علما سے کی، بیعت ارشاد شاہ عبدالعدل دہلوی سے کی۔

"تمام عمر اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں بسر کر دی"۔ (سرسید) ۳۰ سال اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں رہے ہفتہ میں ایک روز (چہار شنبے کو) شاہ عبدالعزیز اور دوسرے اعزّہ سے ملنے مسجد سے مکان آیا کرتے تھے۔" (مقالات طریقت ص۲۲)

۱۲۰۵ھ میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا، سرسید[1] احمد خاں لکھتے ہیں عربی زبان کا اردو ترجمہ سب سے پہلے مولوی عبدالقادر صاحب اور مولوی رفیع الدین صاحب نے کیا، جس کا تاریخی نام "موضح قرآن" ہے اور جو پہلی بار ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۹ء میں سیّد عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی ہنگلی (بنگال) سے شایع کیا تھا، مولوی سیّد شاہ جہاں داماد میاں نذیر حسین نے ۱۳۰۷ھ میں اس میں اضافات کر کے شایع کیا، چنانچہ مولوی سیّد ظہیر الدین احمد ولی اللہی نے انفاس العارفین کے آخر میں اس خاندان کی جن جعلی کتابوں کی نشان دہی کی ہے، ان میں تحفہ

---

[1] تذکرۂ اہل دہلی ص۸۔

الموحدین اور البلاغ المبین اور "تفسیر مولانا شاہ عبدالقادر المعروف بموضح القرآن" بھی ہے۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے شاہ صاحبؒ کے ایک رسالہ اُردو "تقریر الصلوٰۃ" کا بھی نام لیا ہے [1]

وصال ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء میں ہوا۔

آپ کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں، امام فضل حق خیرآبادی، مولانا صدرالدین آزردہ شاہ محمد اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی، شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجر مکیؒ جیسے اکابر فضلاءِ عصر نے آپ سے علوم عقلیہ ونقلیہ میں استفادہ کی سعادت حاصل کی تھی۔

آپ کی جسمانی یادگار صرف ایک صاحب زادی زینب تھیں جن کا عقد آپ نے اپنے بھتیجے شاہ مصطفیٰ فرزند شاہ رفیع الدین سے کیا تھا، ان کے بطن سے صرف ایک صاحب زادی کلثوم تولد ہوئیں جو شاہ اسماعیل کو بیاہی گئی تھیں، کلثوم کے صاحب زادے شاہ محمد عمر تھے جو ایک درویش نہاد عالم تھے، ۱۲۶۸ھ میں شاہ محمد عمر رحلت فرما گئے۔

شاہ عبدالغنیؒ دہلوی

ولادت ۱۱۷۱ھ/۵۸، ۱۷ء، والد کی وفات کے وقت صرف ۵ رسال کے تھے اور قرآن مجید حفظ کر رہے تھے، حفظ قرآن مجید سے فراغت کے بعد نو سال کی عمر میں محراب سنائی اور فارسی کا نصاب شروع کیا۔ پھر عربی کی صرف ونحو کا آغاز کیا [2]۔ یہ معلوم نہیں کہ تکمیل علوم بھی کی تھی یا نہیں؟

والد کے ایک شاگرد شیخ علاء الدین پھُلتی کی صاحب زادی فاطمہ سے عقد ہوا جن کے بطن سے ایک صاحب زادی رقیہ اور ان کے بعد سن ۱۱۹۳ھ/۹، ۱۷۷۹ء

---

[1] الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند طبع بیروت ص۱۱۸ — [2] مکتوب المعارف۔

ہیں شاہ محمد اسماعیل پیدا ہوئے، شاہ اسماعیل کے بعد ایک اور صاحب زادی بھی تولد ہوئیں۔ شاہ اسماعیل کی والدہ کا ۱۸۲۲ء میں سفرِ حج کے دوران وصال[1] ہوا۔ اور شاہ عبدالغنی ۱۲۰۳ھ / ۸۹،۱۷۸۸ء میں ۳۲/۳۳ سال کی عمر میں جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔

"آپ بڑے صاحبِ کشف و کرامات، عارف کامل زاہد و پرہیزگار یکتائے روزگار بزرگ تھے۔"[2]

تعجب ہے کہ محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی[3] میں شاہ عبدالغنی کو سید احمد شہید کے مریدین میں محسوب کیا ہے، حال آں کہ سید احمد شہید شاہ عبدالغنی کی وفات کے وقت صرف دو ڈھائی برس کے تھے، تھانیسری نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بزرگ آخر میں مجنوں ہو گئے تھے۔ بی بی رقیہ کی شادی شیخ کمال الدین بن محمد معشوق بن علاءالدین پھلتی سے ہوئی تھی۔ شیخ کمال الدین کے انتقال کے بعد شاہ اسماعیل نے نکاح بیوگان کی تحریک کے دوران ان کا نکاح ثانی مولوی عبدالحیٔ بڈھانوی سے کر دیا تھا۔[4]

شاہ اسماعیل کی شادی، شاہ عبدالقادر کی نواسی اور شاہ رفیع الدین کی پوتی کلثوم سے ہوئی تھی جن سے صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر ہوئے۔[5]

شاہ عبدالغنی کی دوسری صاحب زادی صاحبِ اولاد تھیں اور ۱۳۱۱ھ میں ان کی چند صاحب زادیاں بقیدِ حیات تھیں۔[6]

---

[1] جماعت مجاہدین ص۱۳۳، [2] مقالات طریقت ص۲۳ [3] سوانح احمدی طبع کراچی ص۲۹۵،
[4] مخزن احمدی ص۳۴ از سید احمد علی رائے بریلوی، [5] مقالات طریقت ص۲۲ ۔
[6] مقدمہ فتوا از مرزا محمد بیگ دہلوی ص۱۲ ۔

شاہ ولی اللہؒ کے اخلاف و احفاد

شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ

شاہ محمد اسحٰق دہلوی، شاہ عبدالعزیز کے بڑے نواسے، خلیفہ اور جانشین تھے خانوادہ ولی اللہی کے آخری عظیم و جلیل رکن، انیسویں صدی عیسوی کے بیشتر خدام حدیث نبوی کے شیخ تھے۔ شاہ ولی اللہ نے برسوں پہلے اپنے احفاد کے دائرہ فیض کی وسعت کی جو پیش گوئی کی تھی، اس کے مصداق شاہ اسحٰق ہی تھے، ہم شاہ محدث کی حیات اور ان کے علوم پر ایک مبسوط کتاب تالیف کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کی حیات کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

والد کا نام شیخ محمد افضل، ولادت ۱۷۸۲ء تعلیم شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی، حجاز میں شیخ عمر بن عبدالکریم مکیؒ سے بھی سند حدیث لی، تربیت باطن بھی نانا اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی اور شاہ عزیز سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی، تعلیم سے فراغت ۱۸۰۸ء میں حاصل کی اور معاً بعد مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کی مسند پر رونق افروز ہو گئے اور مسلسل ۴۰ سال درس دیتے رہے، ۱۸۲۳ء میں نانا کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

۱۸۲۴ء میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور دو سال بعد ۱۸۲۶ء میں واپس ہوئے[1]، اس سفر میں حج و زیارت کے علاوہ وقت کے محدثا

---

[1] مقالات طریقت ص۲۳ و مقدمہ فتاویٰ عزیزی مرزا احمد بیگ ص۱۲۔

شیخ عمر بن عبد الکریم سے سندِ حدیث بھی حاصل کی، مراجعت کے بعد ۱۶ ارسال درس وارشاد وافتا میں مصروف رہے اور ۱۸۴۲ء میں دہلی سے مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے وہاں بھی طاعت و ریاضت کے علاوہ درس وارشاد کا شغل جاری رہا جوارِ حرم میں چار سال اور چند ماہ قیام کے بعد ۱۸۴۵ء میں وصال فرمایا اور ام المومنین سیدنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزارِ مبارک کے جوار میں مدفون ہوئے۔

حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمۂ اردو اور مختصر فارسی رسالہ "شعب الایمان" آپ کی قلمی یادگاریں ہیں۔ "مسائل اربعین" اور "ماۃ مسائل" کو بھی ایک متشدد گروہ نے آپ کی جانب غلط نسبت دی ہے، ہم نے اپنی کتاب میں بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ یہ آپ کی تالیف نہیں ہیں۔

شاہ محمد یعقوبؒ دہلوی

شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے اور شاہ محمد اسحاق کے چھوٹے بھائی، صرف چھوٹے بھائی ہی نہیں ہم خیال وہم مسلک تھے، زندگی بھر رفیق وشریک حال رہے۔

اسم گرامی محمد یعقوب اور عرف چھوٹے میاں تھا، ولادت ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۶ء تحصیل علوم زیادہ تر شاہ رفیع الدین سے کی۔ ضیا کا بیان[1] ہے کہ تین سبق شرح ملّا کے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ سے پڑھے ہیں اکثر علوم شاہ رفیع الدین سے حاصل کئے، تفسیر جلالین شاہ عبدالعزیز سے ان کی چہل قدمی کے دوران پڑھی، سند شاہ عبدالعزیز نے عطا فرمائی، فراغت کے بعد اپنے بزرگوں کے مدرسے میں درس دینے لگے۔ ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا، واپسی پر درس کا سلسلہ جاری رہا ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۴۲ء میں یہ پورا گھرانا ہند کے دارالحرب سے مکہ معظمہ ہجرت کر گیا، وہاں بھی درس وارشاد کا سلسلہ جاری رہا، ۲۴ برس جوارِ بیت اللہ میں قیام کے بعد ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء کو وصال فرمایا۔

آپ سے علوم دینیہ اور فیض باطن حاصل کرنے والوں میں سے نواب صدیق حسن خاں، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولوی عبدالعزیز جعفری، ملّا عبدالقیوم بڈھانوی

---

[1] مقالات طریقت ص۲۲۳۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد زماں (شہید ۱۲۹۲ھ) شیخ محمد محدث تھانوی، خواجہ احمد بن یاسین نصیر آبادی، مولوی محمد سعید عظیم آبادی جیسے رجال علم وعمل ہیں[1]۔ اور حاجی منیر خاں رئیس خانپور، سکندر شاہ، عبدالرحیم نگینہ ساز، نعمت خاں (خادم خاص) وغیرہ جیسے بکثرت اشخاص[2] بھی آپ سے متمتع ہوئے، ان حضرات میں سے مولانا قاسم کا بیان[3] ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قلب کے اندر جو نہایت باریک چور ہوتے ہیں ان سے خوب واقف تھے۔

مؤلف سوانح احمدی نے آپ کو سید احمد شہید کا مستفید و مرید اور ان کا خلیفہ بتایا ہے۔ یہ اگرچہ عقلاً مستبعد نہیں ہے مگر مؤلف موصوف نے شاہ عبدالعزیز کے گھرانے کے بارے میں اس قدر غلط بیانیاں کی ہیں کہ اس کی کسی بات کا بغیر سند کے اعتبار نہیں کیا جا سکتا، خود شاہ محمد یعقوب نے ہمیشہ اپنے فخر روزگار نانا ہی کے دامانِ تربیت سے وابستگی کو اپنے لیے باعثِ فخر و لائقِ ذکر سمجھا، چنانچہ ان کے ایک مسترشد شیخ محمد محدث تھانوی تحریر فرماتے ہیں[4]

> اور ۱۲۶۳ھ میں فقیر کو بعد شرف بیعت وصحبت اپنے بمقام مکہ معظمہ شرفہا اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب مہاجر مکی نواسہ اور خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اجازت تمام اذکار واعمال واشغال جملہ طریقوں کی جو ان کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ سے پہنچے تھے مع خرقہ کرتہ شریف اپنے کے ومع سند مہری علم حدیث اور علم تفسیر وفقہ واصول حدیث اور تصوف ...... عطا فرمائی۔

شاہ محمد یعقوب کو اگرچہ شاہ محمد اسماعیل کے طرزِ فکر اور مسلک سے اتفاق

---

[1] مقالات طریقت ص۲۴۳ امیر الروایات ص۱۵۰ وبعد وص۲۳۶ ارشاد محمدی از محدث تھانوی ص۳
[2] مقالات ص۲۴۶ و امیر الروایات ص۱۵۱ [3] امیر الروایات ص۱۵۱ [4] ارشاد محمدی ص۳ مطبع محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸ھ/ بار دوم (تالیف ۱۲۷۷ھ)

نہیں تھا مگر ان بزرگوں کے اختلافات حدود میں محدود ہوتے تھے، چنانچہ ادھر فریقین میں معاشرتی روابط خوش گوار تھے اِدھر خاص تحریک جہاد بالکفرہ میں شاہ محمد یعقوب اور ان کے برادرِ مکرم نے ممکن اعانت کی، امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ شاہ اسماعیل نے حج کو روانہ ہونے سے قبل خاص خاص علماء کی ایک مجلس طلب کی تھی جس میں شاہ محمد یعقوب بھی شامل تھے، ان حضرات سے شاہ اسماعیل نے تقویت الایمان کے اندازِ بیان کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا۔

مجاہدین کی ہجرت کے بعد ہندستان میں اعانت مجاہدین کا کام انہی دونوں بھائیوں نے سنبھالا تھا، پورے ملک سے جو قافلے آئے وہ انہی بھائیوں سے مل کر اور ہدایت لے کر آگے بڑھتے، سرحد سے جو ہدایات آتی تھیں وہ انہی بھائیوں کی وساطت سے آتیں۔ زر اعانت کی فراہمی اور اسے مجاہدین تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی انہی کی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں سید صاحب کے متعدد خطوط ان حضرات کے نام ہیں خطوط جن حالات میں لکھے جاتے تھے اور قاصد جن راستوں سے گزرتے تھے ان کی وجہ سے کاتب اور مکتوب الیہ کے اسماء صراحۃً نہیں لکھے جاتے تھے اور عموماً القاب اس قسم کے ہوتے تھے[1]

شیخین جلیلین للدرایتہ عینین وللروایتہ اذنین وللسماحتہ یدین وللشہادۃ عضدین وللعبادۃ قدمین وللھدایتہ علمین اکبرھما فلاریب فی انہ شجرۃ غائرۃ الاصول والاعراق ناضرۃ الغصون والاوراق واما اصغرھما فلا شک انہ ثمرۃ طعمہا مرغوب وریحہا محبوب۔

یا

الی کریم الخلاق طیب الاعراف فاتح الاغلاق والی اخیہ المحبوب ذی الخلق المرغوب

یا

ناصران بکلمۃ اللہ ناصحان لدین اللہ اما اکبرھما فلا شک انہ نقی الاعراق صفی الاخلاق وصی الآفاق واصغرھما فلا ریب انہ ذو الخلق المرغوب مطہرا ادناس العیوب "

---

[1] جماعت مجاہدین ص۵۳

مولوی سید نصیر الدین مجاہد کے ایک خط سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب کا سندھ کی طرف ہجرت کا ارادہ تھا، مولوی سید نصیر الدین لکھتے ہیں[۱]:۔

"برائے مہاجرت بھائی یعقوب ملک سندھ بسیار خوب است۔"

مجاہدین و مہاجرین ہند میں ایک گروہ مولوی سید محبوب علی کی قیادت میں سید صاحب سے بغاوت کر کے جب سرحد سے لوٹ آیا تھا اور دھلی میں تحریک جہاد کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا تو تحریک جہاد بہت متاثر ہو گئی تھی، کیوں کہ ادھر مجاہدین کے قافلوں میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی، اِدھر مادّی اعانت بند ہو گئی تھی، اس فتنہ کو رفع کرنے اور دوبارہ یہ سلسلہ شروع کرنے کا سہرا انہی دونوں بھائیوں کے سر ہے۔

افسوس ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو نظر انداز کر دینے، فراموش کر دینے اور ان کی خدمات کو بھُلا دینے کی منظّم و متحدّ سعی کی گئی ہے، اس لیے ان حضرات کی سوانح کے صرف چند گوشے بمشکل اوراق تاریخ میں محفوظ رہ گئے ہیں، خسرال، اولاد، تصانیف مسترشدین و مستفیدین، غرض پوری زندگی کو اوجھل کر دیا گیا ہے، ورنہ ان دونوں برادرانِ کرام کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے جو پیش گوئی کی تھی کہ اگر چہ میرے فرزند بھی مبارک ہیں اور ان میں نیکی ظہور پذیر ہو گی۔

مگر تدبیر غیب کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو اور ہستیاں پیدا ہوں گی جو مدتوں مکہ اور مدینہ میں علوم دینی کی ترویج کریں گی اور وہیں رہیں گی اور یہ دونوں ہستیاں اپنی ماں کے رشتے سے مجھ سے متعلق ہوں گی۔

تو نواب صدیق حسن خان کے بقول اس کے مصداق شاہ اسحٰق و شاہ یعقوب ہو سکتے ہیں۔

سرسید احمد خاں اپنے دور کے جن خاصان دھلی کے ذکر جمیل سے آثار الصنادید کے اوراق کو زینت دی تھی، ان میں شاہ محمد یعقوب بھی تھے لکھتے ہیں:۔

---

[۱] جماعت مجاہدین ص۱۵۱

"علم و فضل میں بھی کم پایہ نہیں رکھتے تھے الا خلق جمیل وصفات جزیل اور قناعت و استغنا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی بطور ہدیہ پیش کش کچھ لایا کچھ قبول نہ کیا جو سرمایہ اپنے پاس رکھتے ہیں، اس میں بسر اوقات کرتے ہیں خواہ بہ تنگی اور خواہ بہ وسعت اور حسبِ استعداد اپنے مال کی زکاۃ نکالتے رہتے ہیں اس کم استعدادی میں توفیق ایسے امورِ خیر کی ایسے ہی مردانِ خدا کا کام ہے، آپ نے ہمراہ اپنے برادر مرحوم کے ہندستان سے ہجرت کی اور مکۂ معظمہ میں توطن اختیار کیا، جب تک شاہ جہاں آباد میں رہے گوشۂ عزلت میں پا بدامن رہتے تھے اور ابنار روزگار کی طرف کبھی رجوع نہ رکھتے تھے اور یہی حال ہے اس بلاد میں کہ کچھ وجہ قلیل میں جو کسی کسب حلال سے بہم پہنچتا ہے اپنی اوقات گزر کرتے ہیں اور اوقات شبانہ روزی کو عبادت خالق زمین و آسماں میں بسر کرتے ہیں حق جل وعلا ایسے زبدۂ اہالی روزگار کو تا دیر بسلامت رکھے کہ اپنے خاندان عالی شان کے یادگار ہیں آمین یا رب العالمین۔"

سر سید نے جو "کسی کسبِ حلال" کا ذکر کیا ہے اس کی وضاحت مقالات طریقت کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ [۱]

"کہتے ہیں کہ مکان میں فرصت کے وقت ریشم کھولا کرتے تھے۔"

شاہ عبدالعزیز کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب روزانہ ایک سپارہ دوبار پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح ایک ماہ میں دوبار بیک وقت قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ [۲]

میاں یعقوب فرزند من ... در　　　　میرے بیٹے میاں یعقوب روزانہ رات

---

[۱] مقالات طریقت ص۲۴۳۔ [۲] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص۱۷ مطبوعہ میرٹھ۔

ہر شب یک پارہ در مدرسہ خواندہ باز در خانہ مع جماعت ہموں پارہ می خوانند تا کہ معاً دو قرآن شریف پس و پیش یک روز ختم می کنند۔

کو ایک ہی پارہ باہر مدرسے میں پڑھتے ہیں اور پھر گھر میں جماعت کے ساتھ وہی پارہ پڑھتے ہیں اس طرح دو قرآن مجید ایک دو روز کے آگے پیچھے ایک ماہ میں ختم کرتے ہیں۔

ثقات کہتے ہیں کہ استعداد ظاہر کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی آیت کے معانی بیان کرتے تو وہ مضامین عالی بیان فرماتے کہ سامعین حیران وششدر رہ جاتے پہروں وہی بیان چلا جاتا، قوت باطن کا یہ حال کہ ادھر سبق حدیث شریف وغیرہ کا بھی ہو رہا ہے، ادھر توجہ بھی جاری ہے یہ اس کو مانع وہ اس کو مزاحم نہیں، امانت داری ایسی کہ یعقوب امین مشہور تھے، سکندر شاہ دہلوی کہتے ہیں کہ "ایک شخص آپ کے پاس دو سو قرص مسی امانت لایا اور کہا یہ رکھیے، آپ نے فرمایا الماری میں رکھ دو اس نے نام نشان اپنا کر دیا، آپ نے نام لکھ کر دھر دیا، ایک مدت کے بعد اگر اس نے طلب کیا آپ دیدئے (آپ نے دیدیا) کہا کہ کھول کر بتایے فرمایا کہ تم نے بھی کھول کر نہیں بتلایا تھا، جس طرح رکھا تھا اسی طرح رکھا ہوا ہے، وہ تکرار کرنے لگا اور کہا کہ یہ تو قرص ہیں میں تو ریال رکھا تھا (رکھے تھے) آپ نے فرمایا جو آپ نے رکھا تھا وہی ہے، خیال نہ رہا ہوگا، خوب یاد کیجیے پھر اس نے (وہ) اسی طرح تکرار کرنے لگا، آپ نے اس کو ایسا ہی آہستگی اور نرمی سے تین بار سمجھایا جب دیکھا وہ نہیں مانتا تو مکان سے جا کر دو سو ریال لا کر دیا (دیئے) اور فرمایا کہ یہ بھی لے جاؤ اخر مجھ کو سہو ہوا ہوگا، مگر کسی وجہ سے چین بجبیں نہ ہوئے۔" [1]

حضرت کی عائلی زندگی کی تفاصیل دست یاب نہیں ہوئیں، صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ وصال کے وقت آپ کی دختر، داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمان صاحب موجود تھے [2] امیر الروایات میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے

---

[1] مقالات طریقت ص۲۲۳ مؤلف کی زبان دمحاورہ دکھنی ہے [2] مقالات طریقت ص۲۲۰۔

بیان کردہ ایک واقعہ میں "مولوی محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ" کا ذکر آیا ہے اس پر مولانا اشرف علی تھانوی نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ میں نے بھی والدِ مرحوم کے ہمراہ مکہ معظمہ میں ان کی زیارت کی تھی۔ [1]

مقالات طریقت ۱۸۷۴ء میں تالیف کی گئی تھی، اس وقت تک مولوی خلیل الرحمٰن بقیدِ حیات تھے، اس پورے سو سال میں اس نسل سے کون کون اٹھا؟ ان آنے والوں کو رحیمی، ولی اللّٰہی اور عزیزی دل و دماغ اور سیرت و کردار سے کتنا حصہ ارزانی ہوا؟ رحیمی مسندِ درس کسی نہ کسی شکل میں اب بھی آباد ہے یا نہیں؟ تلقین و ارشاد کے خاکستر میں کوئی چنگاری اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ کاش کسی ذریعے سے یہ معلوم ہو سکے!

مؤلف مقالات طریقت نے حاجی حافظ کریم بخش سے روایت کی ہے کہ شاہ یعقوب نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہماری اولاد مکہ معظمہ میں جا بسے گی اور حضرت امام مہدی سے ملے گی۔ اس پر مؤلف لکھتے ہیں سبحان اللہ حضرت کی آل مولانا مولوی عبدالرحمٰن صاحب نواسے شاہ حضرت اسحاق کے اور جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سلمہما تعالیٰ نواسے مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اب حاضر ہیں، دوسری بات (لقاء امام مہدی) پر بھی خدائے جلّ و علا قادر ہے" [2]

شاہ صاحب کے وصال کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے [3]

سکندر شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت کی تجہیز و تکفین میں حاضر تھا، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے میں اور امیر بیگ صاحب اور عبدالرحیم تکیہ ساز اور نعمت خاں حضرت کے خادم خاص نے قبر میں اُتارا ہے، جمعہ کے دن بھی نماز صبح آپ نے تیمم سے ادا کی اور اشراق و چاشت بھی پڑھی، دوپہر ڈھلے جب حرم محترم میں اذان ہوئی اسی وقت روحِ پرفتوح جانب ملاءِ اعلیٰ پرواز کی عصر کی نماز کے بعد جنت المعلا میں حسب وصیت آپ کی بی بی کی قبر کے قریب مزار پُر انوار مولانا اسحٰق صاحب قدس سرہٗ کو دفن کیا گیا، جنازے کی نماز

---

[1] امیر الروایات ص۲۳۳ [2] مقالات طریقت ص۹۵ [3] مقالات طریقت ص۲۴۶۔

کی کثرت ہوئی کہ تمام حرم کی دوکانیں بند ہوگئیں کھڑے رہنے کو بدشواری جائے (جگہ) ملتی تھی، حرم شرف سے جنت المعلّا تک اتنی خلقت تھی کہ قدم اٹھانا مشکل تھا، جنازے کو ہاتھ نہیں پہنچتا تھا، ہزار ہا عرب بوسے لے رہے تھے، جس قدر امانتیں کہ تھیں سب لکھوا دیں اور فرمایا کہ تیس ریال نقرئی میرے تکیے کے تلے ہیں، اس سے تجہیز و تکفین ہووے کچھ دھوم دھام اور تکلّف ضرور نہیں" اس طرح عمل ہوا، حافظ سورتی مہتمم مساجد بھوپال نے آپ کی تاریخِ وصال اس آیت کریمہ سے نکالی ہے۔ الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔

شاہ مخصوص اللہ

فرزند شاہ رفیع الدین، مدرسہ رحیمیہ کے عالی مرتبت مدرس، شاہ عبدالغنی فاروقی مجددی کے استاذ گرامی۔

تعلیم و تربیت والدِ ماجد اور دونوں چچاؤں سے حاصل کی، بیعت شاہ عزیز سے سلسلۂ قادریہ میں کی۔

عہدِ تعلّم ختم کر کے اپنے آبائی دارالعلوم میں تفسیر و حدیث کے درس کا منصب اختیار کیا اور طویل عرصہ تک اس فرض کو بحسن خوبی انجام دیتے رہے شاہ محمد اسحاق کی ہجرتِ حرم کے بعد تدریس کے ساتھ مدرسہ کے اہتمام کا بار بھی اپنے بھائی شاہ محمد موسیٰ کے ساتھ اٹھایا ۱۸۰۰ء سے شاہ عزیز کی وفات تک مسلسل ۲۵ سال ان کے درسِ قرآن کی مجالس میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے رہے مولانا "بڑے صاحبِ کمال، علم ظاہر و باطن میں بے مثال تھے۔" (ص۱۸ مقالاتِ طریقت) آپ کے اوقات ایسے مجموع تھے کہ شاید سلف صالحین کے زمرہ میں اولیا اکرام کے اوقات ہوں گے۔" (ص۳۴۸ حیات ولی طبع اوّل)

" ایک مدت دراز تک تعلیم و تدریس میں مصروف رہے .... آخر میں گوشہ نشین ہو گئے اور اولیا کرام کی سی زندگی بسر کرنے لگے اور بجز عبادتِ الٰہی اور تقوا کچھ کام نہ رہا۔" (ص۵۸۹ واقعات دارالحکومت دھلی)

از بس کہ طبیعت عبادت دوست اور مزاج زہادت پرست واقع ہوا ہے، ایک عرصہ ہوا کہ سررشتۂ تدریس کو ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہیں۔" (ص۲۷ تذکرۂ اہلِ دہلی طبع کراچی)

منشی محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدیؒ میں شاہ مخصوص اللہ کو سید احمد

لہ ص۲۹۵ سوانحِ احمدی طبع کراچی۔

شہید کے مریدین میں محسوب کیا ہے، یہ افترا محض ہے، اس لیے کہ اس قول میں کوئی مورّخ اس کا ہم نوا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس مورّخین نے انھیں اپنے عمِّ عالی مقام شاہ عبدالعزیز کا مرید بتایا ہے جن کے سیّد احمد شہید بھی مرید تھے۔ پھر اس نے تو ان کے چچا شاہ عبدالغنی فرزند شاہ ولی اللہ کو بھی سیّد صاحب کا مرید لکھ دیا ہے[1] جو سیّد صاحب کی ولادت کے صرف دو ڈھائی سال بعد وفات پا گئے تھے، گویا شاہ عبدالغنی نے رائے بریلی جاکر گہوارے میں سیّد صاحب سے بیعت کی تھی، اور یہی نہیں اس نے شاہ عبدالعزیز کو بھی سیّد صاحب سے بیعت ہونے کا متمنّی اور آرزومند بتایا ہے[2]۔ تا بدیگراں چہ رسد!

اس انفراد پر مستزاد یہ کہ موصوف نے سیّد صاحب کے حادثۂ شہادت کے ایک سال بعد اس عالم آب و گِل میں پہلا سانس لیا تھا۔ اور حادثہ کے ۴۰ سال بعد سوانح احمدی تالیف فرمائی تھی۔

شاہ مخصوص اللہ، سیّد احمد صاحب کے مرید ہونے کے بجائے ان کی جماعت کے اساطین شاہ محمد اسماعیل اور مولوی عبدالحیٔ بڈھانوی کے وہابیانہ رجحانات کے شدید مخالف تھے، انھوں نے تقویت الایمان کے جواب میں معید الایمان لکھی تھی[3] وہ جامع دہلی کے تاریخی مناظرہ کے نہ صرف شریک بلکہ پُرجوش فریق تھے۔ اس مناظرہ کے آغاز ہی میں جب مولوی عبدالحیٔ نے دریافت کیا کہ

"تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟"

تو شاہ مخصوص اللہ نے جواب دیا تھا۔

> "ہم بموجب حکم خدا کے آئے ہیں کہ حق ظاہر ہو جائے"۔ پھر جب مناظرہ کے ۱۳ ویں سوال (بدعت) پر گفتگو شروع ہوئی کہ بدعت جستہ بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو مولوی عبدالحیٔ نے کہا تھا "اصل ہر بدعت کی بد ہوتی ہے۔"

---

[1] سوانح احمدی طبع کراچی ص ۱۵۵ و ص ۲۹۵ [2] ایضاً ص ۱۲۱

[3] تہافتۃ الوہابیہ از مفتی عبدالحفیظ آگرہ ص ۲ وسیف الجبار از مولانا فضل رسول بدایونی ص ۴۸۔

اس پر مولانا مخصوص اللہ نے پوچھا کہ جس بدعت کی وجہ حسن و قبح ظاہر نہ ہو وہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں مولوی عبدالحیٰ نے کہا سیئہ، شاہ مخصوص اللہ نے کہا: "اس تقدیر پر بدعت اور مباح میں فرق کیا ہے"؟ اس سوال پر مولوی عبدالحیٰ ساکت ہو گئے[۱]

منشی تھانیسری نے غالباً شاہ مخصوص اللہ کی قلمی و عملی سرگرمیوں کی توجیہ کے لیے تحریر فرمایا ہے کہ یہ "بزرگ آخر میں مجنون ہو گئے تھے"[۲] مطلب یہ ہے کہ مرید ہونے کے باوصف ان کی تحریک کے خلاف یہ سرگرمیاں اور یہ جوش وجذبہ بربنائے جنون و اختلالِ حواس تھا، گویا جو کام صحتِ دماغ کا ثبوت اور ثبات عقل و ہوش کا نشان ہے وہی منشی تھانیسری کی نظر میں جنون ٹھہرا اور ہمیں حسرت کا مصرع یاد دلایا گیا۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد

شاہ مخصوص اللہ کا وصال[۳] ۱۳ ذی الحجہ ۱۲۷۱ھ (۵-۱۸۵۶ء) کو ہوا۔ اپنے آبائی مقبرے مہندیوں میں دفن کئے گئے۔

اس خاندان کی تاریخ اب تک اہلِ حدیث کے ہاتھ میں رہی ہے، اس لیے شاہ مخصوص جیسے بزرگوں کے سوانح حیات کے بیشتر گوشے ظلمت میں ہیں، کہاں عقد ہوا تھا، جسمانی یادگاریں کتنی چھوڑیں؟ کوئی تفصیل بھی معلوم نہ ہو سکی بس مولوی بشیر الدین نے مہندیوں میں مدفونین کی فہرست میں شاہ مخصوص اللہ اور ان کی اہلیہ کو بھی شمار کیا ہے[۴]

---

[۱] سیف الجبار ص۵۲ [۲] سوانح احمدی ص۲۹۵ [۳] الیانع الجنی (محمد بن یحییٰ المحسن الترہتی) ص۶۰ طبع دہلی [۴] واقعات دار الحکومت دہلی ج۲ ص۱۲۔

شاہ محمد موسیٰ دہلوی

شاہ رفیع الدین کے فرزندِ گرامی شاہ محمد موسیٰ، ولی اللّٰہی خاندان کے متاخرین میں ایک نمایاں شخصیت تھے۔

آپ کا سنِ ولادت تو نظر سے نہیں گزرا لیکن امیر الروایاتؐ میں یہ روایت درج ہے کہ آپ عمر میں شاہ محمد اسماعیل سے بڑے تھے اس لیے آپ ۱۱۹۳ھ ۱۷۷۹ء سے قبل پیدا ہوئے ہوں گے جو شاہ محمد اسماعیل کا سنِ ولادت ہے۔

علومِ ظاہر و باطن کی تعلیم و تربیت اپنے والدِ ماجد اور عمین مکرّمیں سے حاصل کی اور اپنے اسلاف کی شہرۂ آفاق درس گاہ میں تدریس کی خدمت انجام دینے لگے، شاہ عبدالعزیز کے وصال (۱۸۲۳ء) کے بعد مدرسۂ رحیمیہ کا نظم ان کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحٰق نے سنبھال لیا تھا، ان کی ہجرت حجاز (۱۲۵۸ھ) کے بعد شاہ محمد موسیٰ پر تدریس کے ساتھ نظم کا بار بھی آپڑا جسے یہ حتیٰ الوسع نبھاتے رہے۔ تاآں کہ تقریباً ستر سال کی عمر میں ۱۲ رجب ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) کو اس جہاں سے اُس جہاں میں جا بسے اور مدرسہ رحیمیہ کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا آخری ورق لوٹ دیا گیا۔

لہ امیر الروایات (حکایات اولیاء) طبع کراچی ص ۹۶

شاہ محمد موسیٰ کے وصال کے بعد ان کے صغیر السن صاحب زادے میاں عبدالسلام اور ایک صاحب زادی ان کی یادگار رہ گئے تھے، میاں عبدالسلام کسی بزرگ اور سرپرست کے نہ ہونے کی بنا پر حصولِ علم کی دولت سے محروم رہ گئے اور یوں ایک مرکز علم و حکمت سے علم و حکمت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، بلکہ نہ جانے کن اسباب کی بنا پر نسل ہی تقریباً منقطع ہو گئی اور ۱۹۱۹ء میں مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے "واقعات دار الحکومت" تالیف کی: تو "اس خاندان میں سوائے ایک خاتون عفت مآب کے کوئی نام لیوا اور پانی دیوانہ رہا تھا۔"

شاہ محمد موسیٰ اور ان کی صاحب زادی اپنے مقبرۂ اسلاف مہندیوں میں محوِ خواب ہیں [۱]

وہابیت کے رد میں دو رسالے آپ کی یادگار ہیں، مگر دونوں غیر مطبوعہ ہیں (۱) حجتّ العمل فی ابطال الجہل، فارسی زبان میں۔ یہ رسالہ ۶۰ اوراق (۱۲۰ صفحات) پر مشتمل ہے اور اختتام تالیف کی تاریخ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) ہے، پروفیسر محمد ایوب قادری فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ ان کی نظر سے گزرا ہے، [۲] مولانا فیض احمد بدایونی نے اپنے رسالہ فیض عام میں اس رسالے کے تقریباً تین صفحات نقل کیے ہیں۔ [۳] مولانا بدایونی کا بیان ہے کہ شاہ محمد موسیٰ نے ایک رسالہ "در تحقیق استعانت" بھی لکھا تھا [۴]

ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز میں دو مختلف مواقع پر شاہ محمد موسیٰ کے سوال اور شاہ عزیز کے جواب درج ہیں، ان میں سے پہلا [۵] سوال یہ ہے کہ جسدِ بے روح پانی پر تیرتا رہتا ہے اور زندہ جسم تہ آب بیٹھ جاتا ہے، حالاں کہ روح ایک لطیف ترشے ہے، یہ کیوں؟ شاہ عزیز کے متوقع جواب سے قطع نظر، شاہ موسیٰ کا یہ سوال کرنا بڑا ہی افسوسناک اور ندامت انگیز ہے، کیوں کہ یہ سوال ہمارے قدیم نصابِ تعلیم کے ایک اہم نقص کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ہمارے علماء کی علوم طبعیہ سے ناواقفی اور بے تعلقی

---

[۱] واقعات دار الحکومت دہلی ص۵۹ حصہ دوم، آگرہ ۱۹۱۹ء [۲] ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص۵۹۲
[۳] رسالہ فیض عام ص۱۴۴ [۴] ایضاً (۵) ملفوظات ص۲۵

کا پردہ در ہے، جدید نصاب ہزار نقائص کے باوصف اس باب میں اس قسم کے نقائص سے پاک ہے اور ایک میٹرک کا طالب علم بھی اس سوال کے صحیح اور شافی جواب سے واقف ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب خاندان رحیمی کے تبرکات کے سلسلے میں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے، شاہ موسیٰ نے دریافت کیا تھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کون سا خط رائج تھا؟ شاہ عزیز نے جواب دیا کہ خطِ عقیلی رائج تھا، پھر حضرت علیؓ نے خطِ کوفی ایجاد کیا، چنانچہ میرے پاس حضرت علیؓ کے ہاتھ کی جتنی تحریریں ہیں اور حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید جو مسجد (؟) میں ہے خط کوفی میں ہے[1]

شاہ صاحبؒ کے اس ارشاد میں مسجد سے مراد اگر مدرسۂ رحیمیہ کی مسجد نہیں بلکہ جامع مسجد یا کوئی اور مسجد ہو تو بھی حضرت علیؓ کی تو کئی تحریروں کو شاہ صاحب نے خود اپنی مِلک فرمایا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ تحریریں اور دوسرے نوادر اور تبرکات اب کہاں ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں شاہ محمد اسحٰق نے اپنی ہجرتِ حرم کے وقت اگر یہیں چھوڑ دی تھیں، تو کس کے پاس؟ اور اس سے پھر کس کے پاس منتقل ہوتی رہیں؟ اور اگر ساتھ لے گئے تھے (اور یہی قرینِ قیاس ہے)، تو اب یہ سب چیزیں کہاں ہیں؟ کسی ایک شخص کے پاس محفوظ ہیں؟ یا کسی دور میں تقسیم ہوگئیں؟ اگر ایک جا متفرق طور پر محفوظ ہیں تو اہل اور قدرشناس اور مرتبہ داں حضرات کی مِلک میں ہیں؟ یا ہماری بدقسمتی سے معاملہ اس کے برعکس ہے؟ شاہ اسحٰق کے نواسوں عبداللہ اور عبدالحکیم (فرزندان مولوی نصیر الدین دہلوی)، اور عبدالرحمٰن (فرزند شاہ محتشم اللہ) اور شاہ محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمٰن کا قرن ماضی کے اواخر تک پتہ چلتا ہے، ان حضرات کے اخلاف اب بھی حجاز میں ہوں گے، یہ تو ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اب علم وفضل سے بہرہ یاب نہ ہو، مگر یہ کیا ضرور ہے کہ یہ سب لوگ دنیاوی و مادّی حیثیت سے بھی بے حیثیت اور گم نام ہوں؟ دہلوی محدّثین کے ارادت مندوں میں سے جو حضرات حج وعمرہ کی توفیق پاتے

---

[1] ملفوظات ص۱۰۱

ہیں وہ اگر اپنے دورانِ قیام حرمین شریفین میں ان حضرات کی بھی تلاش کر سکیں، اور ان نوادر اور تبرکات کے متعلق بھی معلومات کر سکیں تو صرف خاندانِ رحیمی کی بلکہ علم دین کی بھی اہم خدمت ہوگی۔

شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں کے اخلاف و تلامذہ میں فکر و نظر کے اختلاف اور مذہب و مسلک کے تعدد نے دو گروہ پیدا کر دیے تھے۔ ایک گروہ جس کے سربراہ شاہ محمد اسماعیل شہید تھے شخص معین کی تقلید کے وجوب کا منکر اور کسی حد تک محمد بن عبدالوہاب نجدی کا ہم نوا تھا اور دوسرا گروہ شاہ عبدالعزیز کے مسلک کا متبع حنفیت پر مطمئن و مصر "حکم بالکفر والشرک" کے باب میں محتاط تھا، مختصر یہ کہ جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوا تھا، شاہ محمد موسیٰ اسی دوسرے گروہ کے حامی و ناصر تھے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی نے جو حزبِ عزیزی کے گویا قائد و نقیب تھے۔ شاہ محمد اسمٰعیل کے متشددانہ افکار و نظریات کے رد میں سبقت کی اور تحقیق الفتوی فی رد اھل الطغوی کے نام سے ایک مفصل رسالہ میں دلائل عقلی و نقلی کے ساتھ شاہ شہید کا رد کیا تو اس کے آخر میں جن ولی اللہی اور عزیزی علماء و فضلا کے دستخط تھے، ان میں شاہ محمد موسیٰ بھی تھے، پھر یہ اختلاف ان دونوں گروہوں کو شاہ جہاں کی مسجد جامع میں منعقد ایک مجلس مناظرہ میں لے گیا تو اس میں بھی شاہ موسیٰ سرگرم نظر آتے ہیں ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) کو مسجد جامع میں جو مجلسِ مناظرہ برپا ہوئی تھی مولانا فضلِ رسول بدایونی نے اس کی مفصل روداد قلم بند کر کے اوراقِ تاریخ میں محفوظ[1] کر دیا ہے، اس مناظرہ میں شاہ موسیٰ اور مولوی عبدالحئی بڈھانوی کے درمیان یوں مکالمہ ہوا تھا۔:

> "مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم ہمارے استادوں کو برا کہتے ہو، بولے (مولوی عبدالحئی)، کہ "میں نہیں کہتا" مولوی موسیٰ نے کہا کہ یہ ایسے نئے مسئلے بتاتے ہیں کہ ان سے برائی استادوں کی ثابت ہوتی ہے۔" پوچھا کہ وہ کیا

---

[1] سیف الجبار ص۵۵

ہے ؟ کہا کہ "مثلاً قبر کے بوسے کو شرک کہتے ہو اور ہمارے اکابر اس کے مباشر ہوتے تھے" مولوی عبدالحیؒ نے انکار کیا، کسی نے کہا کہ لکھ دو تاکہ تمھارے اوپر جھوٹ باندھنے والوں کی تکذیب ہو جائے، مولوی عبدالحیؒ نے کانپتے ہاتھوں سے لکھ دیا۔ "بوسۂ دہندۂ قبر مشرک نیست۔"

مولوی سیّد ظہیر الدّین احمد ولی اللّٰہی

خاندانِ رحیمی کے متاخرین میں سے مولوی سیّد ظہیر الدین احمد کو ان کی متعدد خدمات کی بنا پر ایک اہم اور قابلِ ذکر مقام حاصل ہے، انھوں نے سب سے زیادہ قابلِ تحسین و لائقِ قدر کام تو یہ کیا کہ مدرسۂ رحیمیہ کی ۴۰ سال کے بعد تجدید کی، دوسری اہم خدمت یہ انجام دی کہ اپنے خاندان کی اُدبیات کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور طباعت کے لیے ایک مطبع جاری کیا، تیسری نتیجہ خیز کوشش یہ کی کہ ان حضرات کے خلاف ایک مہم چلائی جو شاہ ولی اللہؒ اور ان کے جانشینوں کی طرف ان کتابوں کو منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں۔

ایک طرف مولوی صاحب کی یہ خدمات اور دوسری طرف ان کی گم نامی کا یہ عالم کہ کسی تاریخ کسی تذکرے کسی سوانح عمری میں آپ کو مولوی صاحب کا نام نہیں ملے گا۔ ۱۸۹۳ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے فتاویٰ عزیزی طبع ہوئی ہے، اس پر کوئی مرزا محمد بیگ دہلوی ہیں، انھوں نے مقدمہ لکھا ہے جس میں اس خاندان کے سب لوگوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب کے والد مولوی معز الدین کا بھی ذکر ہے اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ شاہ رفیع الدین کے اخلاف میں سے اب کوئی

لہ واقعات دارالحکومت دہلی ص۵۵۹

نہیں پایا جاتا حال آں کہ یہ ٹھیک دہی دور ہے جب مولوی سید احمد مدرسہ رحیمیہ کی تجدید کر چکے تھے اور اپنے خاندان کی کئی کتابیں شائع کر چکے تھے۔ اسی طرح مولوی رحیم بخش دھلوی نے حیاتِ عزیزی اور حیاتِ ولی (۱۹۰۰ء میں) تالیف کیں مگر مولوی صاحب کا نام بھی لینے سے گریز کیا ہے، اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ مولوی سید عبدالحیٔ ۱۸۹۴ء میں دہلی میں ان سے ملے تھے اور اپنے سفرنامے[1] میں ان کا اور ان کے کارناموں کا ذکر کیا ہے، مگر نزہت الخواطر میں جو ان کے تذکرہ کا اصل محل تھا انہیں بھول گئے ہیں۔

حقیقت میں مولوی صاحب سے جُرم بھی ایسا ہی سرزد ہوا تھا، انھوں نے اپنے بزرگوں کی طرف منسوب جعلی کتابوں کی نشان دہی کی تھی، اس جُرم کی سزا یہی تھی کہ ان کو گم نام کر دیا جائے، ہمارے یہاں ایک غیر معمولی اور خفیہ تنظیم یہ سزا بہتوں کو دیتی رہی ہے اور میرے علم اور مطالعہ کی حد تک ان کی سزا کا کوئی "تریاق" نہیں ہے جس کو انھوں نے بھُلانا، اوجھل کرنا اور گم نام کرنا چاہا پھر اسے کوئی یاد نہیں کر سکتا، مولوی سید احمد کو بھی یہی تنظیم کھا گئی، نہ کسی مسافر نے اپنے سفرنامے میں ان کا ذکر کیا ہے، نہ کسی تذکرہ نگار نے، دہلی کی اس دَور کی شخصیات میں ان کا نام لیا ہے نہ کسی مولف نے اپنے مآخذ میں ان کی کتابوں کا ذکر کیا ہے، حالاں کہ وہ ایک عالم تھے، متعدد علمی و دینی کتابوں کے ترجمے کیے، ادبیاتِ شاہی کے ناشر تھے۔ دہلی پر "یادگارِ دہلی" جیسی اہم کتاب کے مولف تھے۔ بہر حال مولوی صاحب کے جس قدر حالات بھی دانہ دانہ کر کے فراہم ہوئے ہیں۔ پیش خدمت ہے۔

مولوی صاحب شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے۔ شاہ رفیع الدین کی صاحب زادی امتہ اللہ زوجہ سید نجم الدین تھیں، ان کے دو صاحبزادے تھے، ایک مولوی سید نصیر الدین دہلوی جنھوں نے "مشہد بالاکوٹ" کے بعد ہنگامۂ جہاد کو تازہ کیا اور سرحد ہی میں وفات پائی (۱۸۴۰ء) دوسرے صاحب زادہ سید ناصر الدین تھے، ان کے صاحب زادے مولوی معز الدین تھے، جن کے متعلق مرزا محمد بیگ کہتے ہیں "الحال

---

[1] دہلی اور اس کے اطراف صفحہ ۶۴ (مابعد)

مولوی معز الدین صاحب از بیزگان شاہ رفیع الدین دیگرے یافتہ نمی شود حق تعالیٰ در عمروے برکت دہاد"۔[1] ان مولوی معز الدین صاحب کے صاحب زادے مولوی سیّد احمد تھے۔

مولوی صاحب کے سنِ ولادت کا علم نہیں مگر قرن چہاردہم کے آغاز کے ساتھ ہی وہ ادبیاتِ شاہی کی اشاعت کا کام شروع کر چکے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غدر ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء کے قریب پیدا ہوئے ہوں گے جب ہی وہ تعلیم و تربیت سے فراغت حاصل کرکے ۲۰/۲۵ سال کی عمر میں اس قابل ہوئے ہوں گے کہ بزرگوں کے کارناموں کو زندہ کرنے کا ولولہ پیدا ہو اور اپنے منصوبوں کی تشکیل کر سکیں، چنانچہ انھوں نے ایک مکتبہ جسے انھوں نے اس دَور کے مطابق "دوکانِ اسلامیہ" کا نام دیا تھا اور ایک پریس جس کا نام شاہ ولی اللہ کے نام۔ احمد۔ پر مطبع احمدی سے موسوم کیا تھا جاری کیے۔ مطبع غالباً قرن چہاردہم کے بالکل آغاز میں قائم کر دیا تھا۔ کیوں کہ اس مطبع کی مطبوعات میں سے جن کتابوں پر سنِ طباعت کا اندراج ہے، ان میں پہلی کتاب" مجموعۂ ارشاد و اوائل وغیرہ" ہے جو ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں طبع ہوئی اور دوسری کتاب" فیوض الحرمین" ہے جو ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء میں طبع ہوئی اور اس کتاب کے آخر میں اپنی ۱۱ مطبوعات کی فہرست و تفصیل دی ہے۔ ظاہر ہے کہ گیارہ کتابیں کم سے کم ۴/۵ سال میں طبع ہو سکی ہوں گی، اسی لیے ہم یہ قیاس کر رہے ہیں، مولوی صاحب نے ۱۳۰۱ھ/ ۱۳۰۲ھ میں یہ مطبع قائم کر لیا ہو گا۔

اس مطبع کی سب سے آخری کتاب جس کا ہمیں علم ہے "حسن الاقتباس" ہے جو ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں طبع ہوئی تھی، اس طرح یہ مطبع تقریباً ۲۰ سال تک جاری رہا، اور اس عرصہ میں اس کی ۲۵ مطبوعہ کتابیں ہمارے علم میں آئیں اور نظر سے گزری ہیں۔ خیال ہے کہ یہ تعداد زیادہ ہی ہو گی، ان ۲۵ میں سے دو کتابیں خود مولوی صاحب

---

[1] مقدمۂ فتاویٰ عزیزی صد۲ یہ مقدمہ ۱۸۹۳ء میں چھپا ہے اس کے ٹھیک ایک سال بعد صاحب نزہتہ الخواطر نے آستانہ شاہی پر حاضری دی ہے تو بزرگ خاندان کی حیثیت سے مولوی معز الدین کے بیٹے مولوی سیّد احمد ہی ان سے ملے تھے، ممکن ہے ۹۲-۱۸۹۴ء کے درمیان انتقال ہو گیا ہو۔

کی تالیف ہیں (۱) یادگار دہلی (۲) حالاتِ عزیزی۔ ایک کتاب (الدرّ الثمین از شاہ ولی اللہ) مولوی صاحب کی ترجمہ کی ہوئی ہے اور انھوں نے ترجمہ کے آغاز میں خود وضاحت کی ہے کہ یہ ترجمہ انھوں نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں [1]

"کتاب درثمین .... جب اس کم ترین سیّد ظہیر الدّین عرف سیّد احمد .... کی نظر سے گزری ... اس کا اقتضا ہے کہ جو احباب میرے ہم زبان اور لسانِ سرورِ کون ومکاں سے ناآگاہ ہیں اس تحفہ میں وہ بھی میرے شریک ضرور ہوں .... اس لئے اس کا اُردو ترجمہ مناسب جانا"

بقیہ کتابوں میں سے ۶ کتابیں بھی مترجم ہیں مگر ان کے مترجم کے نام کی وضاحت نہیں ہے کہ مولوی صاحب ہی ہیں یا کوئی اور عالم، ایک کتاب (تحقیق الرؤیا از شاہ عبد العزیز) کے متعلق تو یہ بھی وضاحت ہے کہ مولوی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا نہیں بلکہ کسی سے کروایا ہے اور معاوضہ دے کر کروایا ہے، لکھتے ہیں [2]

.... مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اگر اُردو میں ترجمہ بھی ہو جائے تو بہت خوب ہے .... اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے کمال فضل سے میری آرزو پوری کی اور مجھ کو اس کے ترجمہ کرانے اور اس پر روپیہ صرف کرنے کی اور پھر طبع کرنے کی توفیق دی ..."

مطبع احمدی کی ان ۵۲ مطبوعات کی فہرست درج ذیل جو ہماری نظر سے گزری ہیں یا معتبر حضرات نے ان کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱)۔ الطاف القدس ترجمہ
(۲)۔ سطعات مع الجزء اللّطیف
(۳)۔ مکتوبات مع فضیلت امام بخاری و ابن تیمیہ

---

[1] الدر الثمین مترجم ص۲ مطبع احمدی دہلی [2] تحقیق الرؤیا ص۲ مطبع احمدی

(۴)۔ سعادت کونین ترجمۂ فیوض الحرمین، سال طباعت محرم ۱۳۰۸ھ

(۵)۔ الدر الثمین مترجم

(۶) مجموعۂ الارشاد واوائل وتراجم الواب بخاری ومایجب حفظہٗ الناظر، ۱۳۰۷ھ

(۷)۔ تاویل الاحادیث مترجم۔

(۸)۔ ہوامع

(۹)۔ وصیّت نامہ مع رسالۂ دانش مندی مترجم۔

(۱۰)۔ مجموعۂ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز

(۱۱)۔ عجالۂ نافعہ

(۱۲)۔ حسن العقیدہ (اعتقاد نامہ) مترجم

(۱۳)۔ انفاس العارفین

(۱۴)۔ مکتوب مدنی

(۱۵)۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

(۱۶)۔ تکملۂ ہندی

(۱۷)۔ تکملۂ یونانی

(۱۸)۔ انفاس رحیمیہ (مرتبہ شاہ اہل اللہ)

(۱۹)۔ مجموعہ رسالہ شاہ رفیع الدّین

(۲۰)۔ عزیز الاقتباس ترجمہ مولوی نظام الدّین کیرانوی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء

(۲۱)۔ مناقب فخریہ، مولفہ نواب غازی الدّین خاں مرحوم ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء

(۲۲)۔ یادگار دہلی مولفہ مولوی سیّد احمد

(۲۳)۔ حالات عزیزی 〃 〃

(۲۴)۔ تحقیق الرؤیا

(۲۵)۔ ارشاد رحیمیہ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء یہ مطبع پہلے اپنے مکان میں قائم کیا تھا اور پتہ "عقب کلاں محل" لکھا جاتا تھا، اس کے بعد محلّہ دریبہ کلاں کی دوکان ۱۷۹ میں منتقل ہوگیا تھا۔

مدرسہ عزیزی مولوی سید احمد کا دوسرا اہم اور قابلِ قدر کام اپنی قدیم خاندانی درس گاہ کی تجدید تھا۔ یہ مدرسہ غالباً ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں قائم کیا تھا۔ اور ۳/۴ سال سے زیادہ نہ چل سکا ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء میں جب صاحب نزہتہ الخواطر ان سے ملے تھے، یہ مدرسہ بند ہو چکا تھا۔

مولوی صاحب نے کس ولولے اور جذبے سے یہ مدرسہ جاری کیا تھا، اس کا اندازہ اس کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو انھوں نے فیوض الحرمین کے خاتمہ کے طور پر لکھی تھی [۱]

> جب سے حضرت مولانا اسحاق صاحب محدث دہلوی بیت اللہ ہجرت فرما گئے اور مولوی محمدؐ مخصوص اللہ خلف مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا انتقال ہو گیا (۱۸۵۶ء) مدرسہ کہنہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کا تخمیناً چالیس برس سے غیر آباد پڑا تھا۔ اگرچہ اولاد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب ممدوح سے چند اشخاص جو وارث حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے تھے، مدرسۂ موصوفہ میں برابر سکونت پذیر رہے مگر بوجہ جاری نہ ہونے سلسلۂ درس تدریس کے اکثر احباب اور متوسلین خاندان کو معلوم بھی نہ رہا کہ اولاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ان کے قدیم مسکن و درس گاہ میں رہتی ہے۔ اس اثنا میں مکان (عمارت) مدرسہ بھی غدر میں منہدم ہو گیا، بعد اس عرصۂ معہودہ کے مسبب الاسباب نے داعیہ تعمیر اور آبادی اس مدرسۂ مذکورہ کا جو درحقیقت منبع علم دین ہندوستان میں ہے۔ اس کمترین کے دل میں ڈالا تو بعونہ تعالیٰ دن رات اس کی آبادی کی کوشش میں ہوں شب و روز مجیب الدعوات سے دست بدعا ہوں کہ اے

---

[۱] فیوض الحرمین مطبع احمدی ص۱۰۱

قاضی الحاجات اس اجڑے ہوئے چمن کو دوبارہ سرسبز کردے اور یہ جو نام مفقود ہوا جاتا ہے اس کے باقی رہنے کی کوئی تدبیر کر اور اس میں سلسلہ درس وتدریس کا جاری کر! اور اس مدرسۂ موصوفہ کا مثل اور مدرسوں اسلامی کے کہیں سے کچھ کفاف مقرر نہیں ہے اور خاص یہ شہر تو سرپرستی باہمی سے خالی ہوگیا ہے اور میرے پاس اس قدر سرمایہ نہیں ہے کہ سلسلہ درس وتدریس کا شروع کروں اور طلبہ کی اعانت کرسکوں تو دل نے چاہا کہ اس خزانہ بے بہا کو جو عرصۂ دراز سے محفوظ چلا آرہا ہے نکالیے اور حلیہ طبع سے جلا دے کر جوہریانِ بازار معانی کو دکھایے اور جو اس کا نفع ہو مدرسۂ موصوفہ میں صرف ہو اور قدرے تردّد برطرف ہوا تو اس کم ترین نے یہ چند رسالے کہنہ نکال کر حلیہ طبع آراستہ کرکے ہدیۂ شائقین کیے (اس کے بعد اپنی گیارہ مطبوعات کی فہرست دی ہے) اور ایک کتب خانہ اور مطبع برائے اعانت مدرسہ موصوفہ کے جاری کیا ہے ....''

اس تحریر کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ مولوی صاحب نے ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں کسی نہ کسی پیمانے پر اور کم سے کم نام کی حد تک مدرسہ کی تجدید کی تھی۔

مولوی صاحب نے اس مدرسہ کا نام 'مدرسۂ عزیزی' رکھا تھا اور مطبع کو بھی وہ التزام کے ساتھ ''مطبع احمدی متعلق مدرسۂ عزیزی'' لکھتے ہیں، کتب خانے کا نام دوکان اسلامیہ تھا اور وہ اولاً گھر ہی پر تھا اور اس کا پتہ کلاں محل اور کبھی عقب کلاں محل لکھتے تھے (مثلاً سب سے پہلی کتاب الطاف القدس پر یہی پتہ لکھا ہے) مگر بعد میں دوکان نمبر ۱۰۹ دریبہ کلاں کا پتہ شائع ہونے لگا۔

ابتداءً مولوی صاحب تنہا ہی یہ کاروبار چلا رہے تھے اور اپنے نام سے پہلے مہتمم

یا مالک مطبع احمدی دوکان اسلامیہ لکھا کرتے تھے، مگر چند سال بعد اشتہارات میں واحد کے بجائے تثنیہ کا صیغہ استعمال ہونے لگا اور مالک سے مالکان ہوگئے۔ مولوی صاحب کے یہ شریکِ کار مولوی سیّد عبد الغنی کلیمی تھے۔ مولوی عبد الغنی غالباً ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء میں شریک ہوئے تھے کیوں کہ مولوی صاحب کے نام کے ساتھ ان کا نام پہلی بار "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" کے خاتمے میں آیا ہے جو ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوئی تھی۔

مولوی سیّد احمد کی تیسری اہم خدمت یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے اسلاف کرام کی تالیفات شائع کیں بلکہ ایک مہم ان حضرات کے خلاف بھی چلائی جو اپنے افکار و نظریات کے لیے شاہ ولی اللہ اور ان کے ابناء کرام کا نام استعمال کر رہے تھے، اور ان بزرگوں کی طرف وہ کتابیں منسوب کر کے شائع کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی

۱؎ خاندانِ ولی اللّٰہی کا ہر خادم اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے احوال و سوانح کا تجسس کریں اور جہاں جہاں جو کچھ مل جائے اس کو جمع کر دیں۔ مولوی سیّد احمد سے بھی ہمیں ان کی انہی خدمات کی بنا پر عقیدت ہے اور مولوی سیّد عبد الغنی بھی ہم سے اس عقیدت سے وارادت کے متقاضی ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمیں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ مولوی سیّد احمد کے ہمشیرزادے اور مولوی سیّد محمد کے فرزند تھے۔ انہیں بیک وقت دو رجال علم و تقویٰ۔ شاہ ولی اللہ اور شیخ کلیم اللہؒ سے نسبت تھی، اس لئے وہ اپنے نام کے ساتھ کلیمی و ولی اللّٰہی لکھا کرتے تھے اور شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی درگاہ کے متولی اور صاحب سجّادہ تھے، چند سال اپنے ماموں مولوی سیّد احمد کے ساتھ بزرگوں کی تالیفات کی اشاعت میں شریک و سہیم رہے اور مولوی سیّد احمد کے وصال کے بعد عرصے تک تنہا یہ خدمت انجام دیتے رہے، کئی رسائل و کتب کے دوسرے ایڈیشن شائع کیے مطبع احمدی بند کر دیا تھا اور دوسرے مطابع میں چھپواتے تھے۔ مولوی سیّد عبد الغنی کی شائع کردہ حسب ذیل کتابوں تک ہماری رسائی ہو سکی ہے (۱) تفہیمات حصۂ اوّل (بار اوّل) (۲) سواء السبیل کلیمی (از شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی) (بار اوّل) (۳) فیصلۂ وحدتِ وجود و شہود (بار دوم) (۴) فیوض الحرمین (بار دوم) (۵) تحقیق الرویا (بار دوم) (۶) انتباہ (بار دوم) (۷) الدر الثمین (بار دوم) اس کے حاشیہ پر شاہ اسحٰق کے مسلسلات بھی شائع کیے تھے۔ مولوی سیّد عبد الغنی ۱۹۱۳ء تک حیات تھے، کیونکہ مولوی سیّد محمدؒ امام عیدگاہ شاہی دہلی نے اسی سال

تہیں تھیں یا ان کی کتابوں میں اپنی طرف سے اضافات کر رہے تھے، پہلے تاویل الاحادیث کے خاتمہ میں لکھا:۔

"آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور درحقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی نہیں اور بعض لوگوں نے جو ان کی تصانیف میں اپنے عقیدہ کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقع پایا تو عبارت کو تغیر تبدل کر دیا تو میرے کہنے سے یہ غرض ہے کہ جواب تصانیف ان کی چھپیں اچھی طرح اطمینان کر لیا جائے جب خریدنی چاہئیں۔"

اس کے بعد انفاس العارفین کے آخر میں 'التماس ضروری' کے عنوان سے لکھا:۔

فی زمانہ الدنیا زود ولا یحصلھا الّا بالزور کو بعض حضرات نے کمر باندھی ہے اور دنیا کمانے کے واسطے حضرات موصوفین (خاندانِ رحیمی) کی طرف اکثر کتابیں منسوب کر کے چھاپ دی ہیں جو کسی طرح ان حضرات کی تصنیف میں سے نہیں ہیں اور اربابِ بصیرت ان کو پڑھ کر ان کے عیب اور مفاسد کو اس طرح جان لیتے ہیں جس طرح ایک تجربہ کار نقاد کھرے کھوٹے کو کسوٹی پر لگا کر پہچان لیتا ہے مگر بمضمون العوام کالانعام بیچارے اردو پڑھنے والے علم سے بے بہرہ لوگ اکثر ان جعلی اور مصنوعی رسائل کو پڑھ کر ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس واسطے میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے

اپنے صاحب زادے حافظ طاہر حسن کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ اس تقریب میں دستارِ امامت مولوی سید احمد عبدالغنی نے باندھی تھی (الرحیم لاہور مارچ ۱۹۶۸ء سید رشید احمد ارشد)

نام اس کاغذِ کوتاہ میں لکھ دوں اور اپنے دیندار بھائیوں کو اربابِ زمانہ کی گندم نمائی و جو فروشی سے آگاہ کردوں آگے اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان کا فعل ہے۔

منت آں چہ حق بود گفتم تمام
تو دانی دگر بعد ازیں والسلام

اور وہ جعلی اور مصنوعی رسائل یہ ہیں:۔

(۱) تحفۃ الموحدین مطبوعہ اکمل المطابع دہلی منسوب بہ طرف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ

(۲) بلاغ المبین مطبوعہ لاہور (منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ)

(۳) تفسیر موضح القرآن، مطبوعہ خادم الاسلام دہلی۔ منسوب بہ طرف مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم۔

(۴) ملفوظات مطبوعہ میرٹھ، منسوب بہ طرف حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ۔

مولوی صاحب کی تصانیف (یادگار دہلی اور حالاتِ عزیزی) کے علاوہ ان کے دو مضمون بھی بڑے اہم اور قابلِ ذکر ہیں (۱) شاہ ولی اللہ پر ایک مضمون جو تاویل الاحادیث کے آخر میں شایع کیا گیا اور کئی نئی معلومات پر مشتمل ہے۔ (۲) شاہ اہل اللہ دہلوی پر ایک مفصل مقالہ جو تکملۂ ہندی کے آخر میں شایع کیا تھا اور جو شاہ اہل اللہ پر ایک اوّلین اور معتبر مآخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولوی صاحب کی تاریخ وفات اور اخلاف و اولاد کے متعلق کوئی بات معلوم نہ ہو سکی، مولوی بشیر الدین نے واقعات دار الحکومت دہلی، (تالیف ۱۹۱۹ء) میں مہدیوں میں مدفون حضرات میں مولوی سید احمد کا نام بھی لکھا ہے، گویا ۱۹۱۹ء سے قبل مولوی صاحب رحلت فرما چکے تھے۔

شاہ محمد اسماعیلؒ

ولادت ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱۹۳ھ / ۲۰ اپریل ۱۷۷۹ء پھلت ، وفات والد ۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ / ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء دھلی ،

فراغتِ درس (۱۵/۱۶ سال کی عمر میں)		۹ - ۱۲۰۸ھ /	۴ - ۱۷۹۴ء
بیعت از سید احمد شہید		۱۲۳۲ھ /	۱۸۱۷ء
تالیف تقویت الایمان		۱۲۳۲ھ /	۱۸۱۷ء
" صراطِ مستقیم		۱۲۳۳ھ /	۱۸۱۸ء
آغاز سفر حج از کلکتہ	ربیع الاوّل	۱۲۳۸ھ /	۱۸۲۲ء
مراجعت کلکتہ	صفر	۱۲۳۹ھ /	۱۸۲۴ء
سفر ہجرت	جمادی الثّانی	۱۲۴۱ھ /	۱۸۲۶ء جنوری
پہلا معرکہ (اکوڑہ)	۲۰ جمادی الاولیٰ	۱۲۴۲ھ /	۱۸۲۷ء
شہادت (بالاکوٹ)	ذی قعدہ	۱۲۴۶ھ /	۱۸۳۱ء مئی

تصانیف:۔ رسالہ تقویت الایمان (اردو) صراط المستقیم (باب افاری) منصب امامت (فارسی) رسالہ اصول فقہ (عربی) رسالۂ یک روزی (فارسی) ایضاح الحق الصریح فی احکام المیّت والضریح۔ تنویر العینین[1] فی مسئلہ رفیع الیدین، مثنوی سلک نور، رسالۂ بے نمازاں۔

---

[1] تنویر العینین کے متعلق بعض معاصرین شاہ اسماعیل کا بیان ہے کہ ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے ان کے نام سے یہ رسالہ لکھ کر شہرت دی ہے، تنبیہ الضالین ص ۸۷

شاہ محمد عمر

شاہ اسماعیل شہید کی اولاد میں صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر کا نام ملتا ہے۔

مولوی سید عبدالحیٔ کا بیان[1] ہے کہ قناعت وعفاف و توکل واستغنا اور تبتل الی اللہ کی صفات سے بہرہ مند تھے۔ دنیا اور ارباب دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے، ایک بار بہادر شاہ ظفر نے شوقِ ملاقات ظاہر کیا اور قلعۂ معلآ کو رونق بخشنے کی دعوت دی مگر آپ نے معذرت کردی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکّی کی زبانی ایک ایسا ہی ایمان افروز واقعہ نقل[2] ہوا ہے کہ شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل شہید ایک بار ہمارے ساتھ جارہے تھے کہ بادشاہ کی سواری کے ڈنکے کی آواز آئی، یک لخت ان کی رنگت زرد ہوگئی پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کی سواری آئی اور گزر گئی بعدہٗ وہ اٹھے تو چہرہ خوش تھا۔ دریافت کیا کہ حضرت آپ اس قدر کیوں گھبرا گئے تھے اور اب کیوں مطمئن ہیں کہا "میں نے بادشاہ کی سواری سامنے سے آتی ہوئی محسوس کرکے اس بات کا خوف کیا کہ کہیں میرے ایمان کو نہ لے جائے۔"

ان ہی مولانا کیرانوی کی یہ روایت[3] بھی ہے کہ نواب وزیرالدولہ والی ٹونک ان ہی محمد عمر صاحب کے معتقد تھے ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لیے آئے محمد عمر

---

[1] نزہتہ الخواطر الجزء السابع صفحہ ۴۲۳ [2] مرقاۃ الیقین از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی صفحہ ۱۹۳

[3] ایضاً صفحہ ۱۹۴

صاحب نے سنا کہ وزیر الدولہ آیا ہے تو دیوار کود کر پچھواڑے کی طرف سے مکان چھوڑ کر چل دیے کہ امیروں کی ملاقات سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور قلب پر غفلت طاری ہو جاتی ہے۔

شاہ محمد عمر کی وفات ۲ رجمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں ہوئی، مومن خاں نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ وفات موزوں کیا۔[1]

محمد عمر کا ہوا انتقال بزرگ ایسے ہوتے ہیں پیدا کہاں
مجھے سال تاریخ کا تھا خیال کہ سب نے کہا مرگ شیخ زماں
۱۲۶۸ھ

اسلامی اقتصادی انقلاب

کے متعلق

حضرت امام حکیم الامت مجدد الملت عارف باللہ

مولانا شاہ ولی اللہ اعلیٰ مقامہٗ کے نظریات

نگارش :۔ حکیم مولوی انیس احمد صدیقی حنفی مجددی ولی اللٰہی ۔

حضرت شاہ صاحبؒ اسلامی انقلاب کے داعی ہیں، اسلامی انقلاب میں اقتصادی اصلاحات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اگرچہ اس موضوع پر مستقل تالیف کی ضرورت ہے، جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریات وارشادات کو تفصیل سے بیان کرنا چاہیے۔ لیکن ہم نے یہاں نہایت اختصار سے اسلامی انقلاب کے اقتصادی اصول تحریر کیے ہیں تاکہ برادرانِ اسلام کو یہ علم ہو جائے کہ اسلام ایک مکمل دستورِ حیات ہے اور اسلام میں مذہب اور سیاست جدا جدا نہیں۔

ع۔ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

آج کل عوام میں سوشلزم کا بہت بڑے پیمانے پر پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اور عوام کو بتایا جاتا ہے کہ اسلام میں ہمارے اقتصادی مسائل کا حل کوئی نہیں ہے ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اس باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی انقلاب کی دعوت کے داعی حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ ولی اللہ اعلی اللہ مقامہٗ ہیں جن کے ہزار ہا شاگردوں کے شاگرد ہند و پاکستان میں عربی مدارس اور مساجد میں درس اور خطبات کے فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن ان میں اکثر اصحاب نے نماز، روزہ، اور حج کو دین سمجھ لیا ہے اور دوسری چیزوں سے قطع نظر کرلی ہے، اس صرفِ نظر کی وجہ سے تمام عالم میں خرابیاں مفاسد اور اختلال رونما ہے، جن لوگوں نے اس کی اصلاح کی کوشش کی ہے وہ ناشناس خدا ہونے کی وجہ سے دوسری قسم کی ظلمتوں میں گر پڑے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مسلک پر عمل کیا جائے تو آج نہ صرف پاکستان بلکہ ہند و افغانستان اور مصر، ترکی اور تمام عالم اسلام میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات ختم ہو جائیں اور تمام دنیا کے مسلمان ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح نہایت مضبوط اور منظم طاقت بن جائیں لیکن افسوس ہے کہ اس اہم ضرورت کو سمجھتے ہوئے بھی اس کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو بارہویں صدی کا مجدد بنایا تھا اور مجدد پیغمبر کا نائب ہوتا ہے، حضرت نے اقتصادی نظام کے سلسلہ میں جو تصریحات فرمائی ہیں ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اس اعتبار سے حضرت کی تحریرات میں اعجاز بھی ہے اور ایجاز بھی۔

انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء میں رونما ہوا ہے جس کو انقلاب پسند اصحاب نے نشانِ راہ قرار دیا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب ۱۷۳۱ء میں یعنی انقلاب کے نشانِ راہ سے پوری نصف صدی قبل، کمیونزم کے معلّم اوّل کارل مارکس اور اس کے نفسِ ناطقہ سے اور رفیقِ خاص اینگلس کی پیدائش میں پوری ایک صدی اور یورپ میں مشینوں اور کلوں کے جاری ہونے میں ابھی تقریباً چالیس سال باقی تھے، اسلام

کے اقتصادی انقلاب کے وہ نظریات پیش کیے ہیں جو عالم اسلام کے مسلمانوں کے لیے قابل فخر ہی نہیں واجب العمل بھی ہیں۔

اگر حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ نظریات قبول کر لیے جاتے تو کارل مارکس اور دوسرے کمیونسٹ مفکروں کو کوئی نہ جانتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو لوگ حضرت شاہ صاحب کے علوم سے واقف ہیں اور زمانے کی ضرورت کو بھی سمجھتے ہیں، وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریات کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے لیے مخلصانہ کام کریں، تحریری، تقریری اور تعمیری، ہر طرح سے اسلامی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جائے جو مملکت اس پر عمل کرے گی وہ یقیناً عالم اسلام کی قائد ہو گی بلکہ تمام دنیا اس کی امامت و عظمت کو تسلیم کرے گی ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اقتصادی اصول

(۱) دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔
کاشتکار، مزدور قوت کاسبہ ہیں، باہمی تعاون مدنیت (شہریت کی روحِ رواں ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک و قوم کے لیے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں[۱]

(۲) جوا، سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کیے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے کہ قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ ہو۔ دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے[۲]

(۳) مزدور، کاشتکار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لیے دماغی کام کریں دولت

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ باب سیاست المدینہ والبدور البازغہ بحث الارتفاق الثالث والخیر الکثیر۔ [۲] حجۃ اللہ باب ابتغاء الرزق

کے اصل مستحق ہیں، ان کی ترقی اور خوشحالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی ہے جو نظام ان کو دبائے وہ ملک کے لیے خطرہ ہے، اس کو ختم ہونا چاہیئے۔[1]

(۴) ضرورت مند مزدور کی رضا، قابلِ اعتبار نہیں جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امدادِ باہمی کے اصول پر لازم ہوتی ہے[2]

(۵) جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے، مزدوروں اور کاشتکاروں پر ٹیکس لگائے قوم کا دشمن ہے، اس کو ختم ہونا چاہیئے۔[3]

(۶) جو آمدنی اور پیداوار تعاون باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے[4]

(۷) اوقاتِ کار مقرر اور محدود رکھے جائیں۔ مزدور کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔[5]

(۸) تعاون باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ لہذا تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہیئے۔ اس لیے تاجروں کو جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا کمپیٹیشن سے روح تعاون کو نقصان پہنچائیں، اس طرح حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کہ بھاری ٹیکس عائد کر کے تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ یا رخنہ پیدا کرے۔[6]

(۹) وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کر دے، ملک کے لیے تباہ کن ہے۔[7]

(۱۰) وہ شاہانہ نظامِ زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندان کے عیش و عشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت کو ختم کیا جائے اور ان کو مساویانہ اور منصفانہ نظامِ زندگی کا موقع دیا جائے۔[8]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب الرسوم السائرۃ بین الناس [2] حجۃ اللہ البالغہ باب ابتغاء الرزق [3] باب اصابۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم وباب ضبط المبہم حجۃ اللہ البالغہ [4] باب البیوع المنہی عنہا حجۃ اللہ البالغہ۔ [5] حجۃ اللہ البالغہ باب الارتفاق الرابع وباب البیوع المنہی عنہا۔ [6] الرسوم السائرہ بین الناس وباب سیاسۃ المدینہ۔

بنیادی حقوق

حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ وغیرہ میں ارتفاقات (مفادات عامّہ) کے تحت تفصیلی کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱۱) روٹی، کپڑا، مکان اور ایسی استطاعت کہ نکاح کر سکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکے، بلا لحاظ مذہب و نسل ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔

(۱۲) ملک کے ہر باشندے کا حق ہے خواہ وہ کسی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہے کہ اس کی جان، مال اور عزّت و ناموس کی حفاظت کی جائے اور اس کو عدل و انصاف سے استفادہ کا بغیر کسی معاوضے کے حق دیا جائے۔ حقوق شہریت میں یکسانیت اور حقوقِ ملکیّت میں آزادی کا حق حاصل ہو۔

(۱۳) زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا ہر فرقہ کا بنیادی حق ہے۔

اصول نظامِ حکومت

(۱۴) زمین اور اس کے خزانوں کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس کے بعد ظاہر انتظامی اعتبار سے ریاست ہے اور باشندگانِ ملک جن کو ان کے حقوق حاصل ہیں وہ ان کے منتظم ہیں اور ان کی ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا شخص ان کے حق انتفاع میں دخل اندازی نہ کرے۔[۱]

(۱۵) سارے انسان برابر ہیں۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود کو مالک الملک یا ملک النّاس سمجھے۔[۲]

(۱۶) مملکت کے سربراہ کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسا کہ وقف کے متولّی کی اگر ضرورت مند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے جو عام باشندگانِ ملک کے معیار کے مطابق زندگی گزار سکے۔[۳]

---

[۱] حجۃ اللہ باب ابتغاء الرزق [۲] منصب امامت ذکر سلطنت ضالہ [۳] ازالۃ الخفاء ج ۲ عہد فاروقی۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی نئی اور اہم کتابیں

مولانا آزاد کا ذہنی سفر	(ادب)	ظ انصاری	۳۳/-
تنقید اور جدید اردو تنقید	(تنقید)	ڈاکٹر وزیر آغا	۶۰/-
مشقی تدریس، کیوں اور کیسے؟	(تعلیم)	ڈاکٹر محمد اکرام خاں	۴۵/-
آوازوں کا میوزیم	(افسانے)	ساگر سرحدی	۴۵/-
اپنی ہواؤں کی خوشبو	(خاکے)	کشمیری لال ذاکر	۳۶/-
دلی کی چند عجیب ہستیاں	(خاکے)	اشرف صبوحی	۵۱/
چند تصویر نیکاں	(تاثرات)	مولانا عبدالسلام قدوائیؒ	۴۵/-
ہندستانی مسلمان اور مجیب صاحب	(ادب)	پروفیسر آل احمد سرور	۸/-
صاحب جی، سلطان جی	(تذکرہ)	ڈاکٹر اسلم فرخی	۲۰/-
نظام رنگ	(ادبی خاکہ حضرت نظام الدین اولیا)	"	۱۵/-
شہید جستجو	(سوانح ڈاکٹر ذاکر حسین)	ضیاء الحسن فاروقی	۷۵/-
مذہب اور ہندستانی مسلم سیاست	(مذہب)	مشیر الحق	۸/-
ہمارے دینی علوم	(مذہب)	مولانا اسلم جیراجپوری	۱۸/-
معاشیات کے اصول	(معاشیات)	عزیز احمد قاسمی	۲۱/-
آسان اردو، ورک بک	(تعلیم)	شکیل اختر فاروقی	۲۴/-
کچھ مولانا آزاد کے بارے میں	(ادب)	مالک رام	۵۱/-
تحقیقی مضامین	(تحقیقی)	"	۶۰/-
پرانی بات ہے	(شاعری)	زبیر رضوی	۳۰/-
ساز سخن	(")	ادا جعفری	۴۵/-
غزل نما	(انتخاب غزلیات)	مرتبہ ادا جعفری	۷۵/-
فی الفور	(مزاحیہ)	یوسف ناظم	۳۰/-
گول مال	(")	شفیقہ فرحت	۱۸/-

مطبع لبرٹی آرٹ پریس: پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دلی ۱۱۰۰۰۲